

انکار

پروین شاگر

پروین قادر آغا کے نام

ترتیب

8	'	سچ گئی بزم رنگ و نور ایک نگاہ کیلئے
8	'	باب حیرت سے مجھے اذن سفر ہونے کو ہے
9	'	بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
10	'	کچھ خبر لائی تو ہے باڈ بہاری اُس کی
11	'	دیکھنے کا جسے کل رات میں ڈھنگ اور ہی تھا
11	'	شام بھی روشن ہے کچھ جذب دروں کی ضوبھی ہے
12	'	شہیں پر چاند اُتراء، اک پرانی یاد کا
12	'	شرار برق سے سارا جہاں روشن تھا
13	'	ہوا مہک اُٹھی، رنگ چمن بد لئے لگا
14	'	تری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا
15	'	زندگی کوئے ملامت میں تواب آئی ہے
15	'	حیراں ہجوم رنگ میں یہ چشم کب سے ہے
16	'	ایک اُداس نظم
17	'	فیض کے فراق میں
18	'	تیری خوشبو کا پتا کرتی ہے
20	'	اک ہنر تھا کمال تھا کیا تھا
20	'	اے رنج بھری شام
21	'	ایک پیغام
21	'	وہ کیسی، کہاں کی زندگی تھی
22	'	تیرے اجائے کیا کسی اور دیارِ بس گئے
23	'	ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا
24	'	اس بار تو اپنے پاس تھے ہم

- کھلا ہے آج دل لالہ فام کس کیلئے
24 ،
ایک دفنائی ہوئی آواز
25 ،
مراد
26 ،
شرارت سے بھری آنکھیں
27 ،
سفراب جتنا باقی ہے
28 ،
اپنے میٹے کیلئے ایک نظم
30 ،
جدائی کی پہلی رات
33 ،
بیٹھی ہے بال کھولے ہوئے میرے پاس شب
34 ،
نظر کے سامنے اک راستہ ضروری ہے
35 ،
اب اور جینے کی صورت نظر نہیں آتی
36 ،
پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے
37 ،
مقتل وقت میں خاموش گواہی کی طرح
37 ،
پھیلا ہوا ہے حدِ بصارت میں نور کیا
38 ،
چھاؤں نیچ آئے ہیں یوں نفس سے مجبور ہوئے
39 ،
نشاطِ غم
40 ،
وہ ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبرا آ جاتا
41 ،
اُس سے ملنا ہی نہیں دل میں تھیر کر لیں
42 ،
جبس بہت ہے
43 ،
بہت دل چاہتا ہے
43 ،
چیلینچ
45 ،
ستمبر ۱۹۸۷ء کیلئے ایک دعا
46 ،
صیاد تو امکانِ سفر کاٹ رہا ہے
48 ،
اگر چہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
49 ،

- 49 ، رستے میں مل گیا تو، شریک سفر نہ جان
- 50 ، اسی میں خوش ہوں میرا دُکھ کوئی تو سہتا ہے
- 51 ، شنائے انجم و تسمیح کہکشاں کیلئے
- 52 ، کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی
- 53 ، یوں وحشتِ رخصت میں نہ اس دل کو رکھا جائے
- 54 ، دنیا سے بے نیاز ہوں، اپنی ہوا میں ہوں
- 55 ، تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جان میں ہے
- 56 ، بہار اپنی بہار پر ہے
- 57 ، شہزادی کا المیہ
- 61 ، سیر دنیا کرے دل، باغ کا در تو کھولے
- 62 ، شہر کے سارے معتبر آخراً سی طرف ہوئے
- 62 ، زندگی کی دھوپ میں اس سر پاک چادر تو ہے
- 64 ، ہوائے تازہ میں پھر جسم و جاں بسانے کا
- 64 ، دُعا یہ کی ہی نہیں تو میرا مقد رہو
- 65 ، راہ دشوار کی جو دھوول نہیں ہو سکتے
- 66 ، زندگی بے سائبان بے گھر کہیں ایسی نہ تھی
- 67 ، ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جائے
- 68 ، ہر ذرہ جیسے آئینہ برد و شہ ہو گیا
- 69 ، حلقہ در حلقہ برائے پند و وعظ آنے لگے
- 70 ، دل کی بربادی کا کوئی سلسلہ پہلے سے تھا
- 70 ، اُسی دن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے
- 71 ، چارہ سازوں کی اذیت نہیں دیکھی جاتی
- 72 ، جز غبار را کچھ پیش نظر رکھا نہیں

73	'	پہنچے جو سرِ عرش تو نادار بہت تھے
74	'	وقت ہوتا کہ مرا بخت عناءں گیر، سو ہے
74	'	موجہِ گل کو ہم آواز نہیں کر سکتے
75	'	لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی
76	'	GOOD TO SEE YOU
77	'	ایک منظر
77	'	اُس نے پھول بھیجے ہیں
78	'	HOT LINE
79	'	VANITY THEY NAME IS.....
80	'	دل کو مہر و مہدا نجم کے قریں رکھنا ہے
81	'	جب کبھی خوبی نقسمت سے تجھے دیکھتے ہیں
82	'	امیدِ مجذہ کیک نظر پر زندہ ہیں
83	'	گلابی پھول دل میں کھل چکے تھے
83	'	تمہاری زندگی میں ----
85	'	ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا.....
86	'	نیا گرہ فالز
86	'	دیست منڈر ایبے
88	'	جانے کب تک رہے یہی ترتیب
89	'	آنکھوں کیلئے جشن کا پیغام تو آیا
90	'	جو صحیح خواب ہوا، شب کو پاس کتنا تھا
90	'	دل کی حالت ہے اضطرابی پھر
92	'	سفرِ خواب
93	'	ایک شریر نظم

94	,	وہ باغ میں میرا منتظر تھا
95	,	شجر کے ہاتھ میں اک زرد پھول باقی ہے
96	,	قسمت سے بھی کچھ سوادیا ہے
97	,	رُکنے کا سے گز رگیا ہے
98	,	بارِ احسان اٹھائے جس تسلیم کا
98	,	لوٹنا ہے مجھے گھر جائیگا آخر وہ بھی
99	,	کیا بات ہے جس کا غم بہت ہے
100	,	عجب اک ساعت لفاظ آئی
101	,	رستہ ہی نیا ہے ، نہ میں انجمان بہت ہوں
102	,	فیض صاحب کیلئے ایک اور نظم
103	,	نمایش
105	,	سندھ کی ایک بیٹی کا اپنے رسول ﷺ سے ایک سوال
107	,	دشتِ غربت میں ہیں اور رنج سفر کھینچتے ہیں
108	,	کراچی ۸۹ء کی آخری شام
110	,	جب ہو کے صبا کوچہ تعریف سے آئی
110	,	شہرِ جمال کے کس و خاشاک ہو گئے
		نشری نظمیں
112	,	ندامت
113	,	بیشترے کی گھروالی
115	,	ایک U.CD کی ڈائری
118	,	ٹھانٹو کچپ
120	,	اسٹائل ملز کا ایک خصوصی مزدور
121	,	سمجھداری کی ایک نظم

122	,	ایک مشکل سوال
122	,	یاس عرفات کیلئے ایک نظم
124	,	دوست ملک کیلئے ایک نظم
126	,	SAN FRANCISO
127	,	ایک افسر اعلیٰ کا مشورہ
128	,	ایک سو شل و رکر خاتون کا مسئلہ
130	,	کراچی
130	,	کلفٹن کے پل پر
132	,	کتنے برس لگے،،،
133	,	چاند کی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں
133	,	I'LL MISS YOU
134	,	مشورہ
134	,	اُسے اس بات کا پتہ نہیں
135	,	مجھے جان لینا چاہیے
136	,	ملے پر لکھی گئی ایک نظم
136	,	پروین قادر آغا
138	,	ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس ہیں
139	,	پھروہی فرمان.....
141	,	سندهود ریا کی محبت میں ایک نظم

سچ گئی بزمِ رنگ و نور ایک نگاہ کے لئے
 بام پہ کوئی آگیا زینتِ ماہ کے لئے
 فرشِ فلک پہ پاؤں رکھ دیکھ تو کس طرح سے ہیں
 تارے بچھے ہوئے تری چشمِ سیاہ کے لئے
 دل میں یقینِ صحیح کی تو جو ذرا بلند ہو!
 کافی ہے ایک ہی دیا شب کی سپاہ کے لئے
 ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو اے مرے شہر یارِ حسن
 آئے نہیں تری طرف منصبِ وجہ کے لئے
 میری پھٹی ہوئی ردا دے بھی گئی بیاں مگر
 فیصلہ رک گیا ہے ایک اور گواہ کے لئے
 کیا ہوا گر نہیں نصیب میرے لباس کو رفو
 طرہ زرفشاں تو ہے تیری کلاہ کیلئے
 ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو بہار گر ہیں یا
 سارا چمن جلا دیا اک پرکاہ کیلئے
 ایک سہانی صحیح کو شہر جلا ہوا ملا
 ہوتی رہیں حفاظتیں ظلنِ اللہ کے لئے
 سارے جہاں سے کٹ گئے، کتنے اکیلے رہ گئے
 کس نے کہا تھا غر بھر غم سے نباہ کے لئے



بابِ حرمت سے مجھے اذنِ سفر ہونے کو ہے
 تہنیت آئے دل کہ اب دیوارِ در ہونے کو ہے

کھول دیں زنجیر ڈر حوض کو خالی کریں
 زندگی کے باغ میں اب سہ پھر ہونے کو ہے
 موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دل میں کیوں
 کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے
 گرد رہ بن کر کوئی حاصل سفر کا ہو گیا
 خاک میں مل کر کوئی لعل و گھر ہونے کو ہے
 اک چمک سی تو نظر آئی ہے اپنی خاک میں
 مجھ پہ بھی شاید توجہ کی نظر ہونے کو ہے
 گمشدہ بستی مسافر لوٹ کر آتے نہیں
 معجزہ ایسا مگر بار و گر ہونے کو ہے
 رونق بازار محفل کم نہیں ہے آج بھی !
 سانحہ اس شہر میں کوئی مگر ہونے کو ہے
 گھر کا سارا راستہ اس سرخوشی میں کٹ گیا
 اس سے اگلے موڑ کوئی ہمسفر ہونے کو ہے



بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے
 یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے
 خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
 وہ روئیہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے
 بزمِ انجمن میں قبا خاک کی پہنی میں نے
 اور مری ساری فضیلت اسی پوشان سے ہے
 اتنی روشن ہے تری صح کہ ہوتا ہے گماں

یہ اجala تو کسی دیدہ نمناک سے ہے
ہاتھ تو کاٹ دیئے کوزہ گروں کے ہم نے
مجزے کی وہی امید مگر چاک سے ہے



کچھ خبر لائی تو ہے باد بہار اُسکی
شاید اس راہ سے گزرے گی سواری اُسکی
میرا چہرہ ہے فقط اُسکی نظر سے روشن
اور باقی جو ہے مضمون نگاری اُسکی
آنکھ آٹھا کر جو روا دار نہ تھا دیکھنے کا
وہی دل کرتا ہے اب میت و زاری اُسکی
رات کی آنکھ میں ہیں ہلکے گلابی ڈورے
نیند سے پلکیں ہوئی جاتی ہیں بھاری اُسکی
اس کے دربار میں حاضر ہوا یہ دل اور پھر
دیکھنے والی تھی کچھ کار گزاری اُسکی
آج تو اس پہ ٹھہرتی ہی نہ تھی آنکھ ذرا!
اس کے جاتے ہی نظر میں نے اُتاری اُسکی
عرصہ خواب میں رہنا ہے کہ لوٹ آنا ہے
فیصلہ کرنے کی اس بار ہے باری اُسکی



دیکھنے کا جسے کل رات میں ڈھنگ اور ہی تھا
صحیح جب آئی تو اُس چشم کا رنگ اور ہی تھا
شیشہ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اور ہی تھا
خلق کی بھیجی ہوئی ساری ملامت اک سمت
اُس کے لجھے میں پچھا تیر و قلنگ اور ہی تھا
کیا عرض اس سے کہ کس گوشہ غرلت میں رہا
شمع کے آگے جب آیا تو پینگ اور ہی تھا
لو چراغوں کی بُجھانے سے ذرا سا پہلے
میرے سردار کا اندازہ جنگ اور ہی تھا



شام بھی روشن ہے کچھ جذب ڈرول کی ضو بھی ہے
ساتھ اُس کے کوہ پر دیدارِ ماہ نو بھی ہے
اُبر ہے، کہسار ہے اور دستِ شب میں منتظر
اُس لبِ علیں کے نام اک جام آب بوجھی ہے
پیرہن کی اک جھلک سے بن معطر ہو گیا
جیسے موج رنگ میں خوشبو کی کوئی روبھی ہے
سطحِ دریا بڑھ رہی ہے اور ہواۓ تنہ بھی
آج کی شب ہی بہت پنجی دیے کی لو بھی ہے
باغ کا حصہ تو میں بھی ہوں مگر میرا وجود
بزر بھی اتنا نہیں ہے اور کچھ خود روبھی ہے

ایسا لگتا ہے کہ اس دُنیا سے باہر بھی ہوں میں،
میرے چہرے میں کسی کے خواب کا پر تو بھی ہے



شہ نشیں پر چاند اُترا ، اک پُرانی یاد کا
دل میں پُر چم سا گھلا کس قریبے بر باد کا
شہر پر اُس ساعتِ نا سعد کا سایہ ہے اب
جھٹپٹے کے وقت کیوں پتھر رکھا بنیاد کا
بستیوں کی گونج پر اسرار سی ہونے لگی
جیسے سنائا پکارے شہر نا آباد کا
چہرہ گہوار کا دکھلا گیا اک اور رنگ،
ٹائیں بھر کے لئے دیدار برق و رعد کا
ایک ان دیکھی خوشی رقصان ہے برگ و بار میں
بانغ ہستی میں مرے موسم ہے ابر و باد کا
میں تو اڑنا بھول جاؤں زندگی بھر کے لئے
بھر گیا ہے دل مگر مجھ سے مرے صیاد کا



شارِ برق سے سارا جہان روشن تھا
عجیب طرح سے کل آسمان روشن تھا

ورائے چشم بھی اک روشنی فضا میں تھی
کوئی مکان سے تala مکان روشن تھا
میں اُس کے ساتھ روانہ تھی کن فضاوں کو
زمیں کا چہرہ فلک کے سماں روشن تھا
وصالِ روح و نظر کے عجیب لمحے میں
ہر ایک زاویہ جسم و جان روشن تھا
فراق میں ہی رہے ہم تو ساری عمر مگر
چراغ سا کوئی نزدیک جان روشن تھا
پسیدی خط ساحل نظر میں تھی جب تک
مرا ستارہ ، ترا بادبان روشن تھا
طلوعِ انجم و تکوینِ مہر سے پہلے
گماں گزرتا ہے یہ خاکدان روشن تھا



ہوا مہک اٹھی ، رنگِ چمن بدلنے لگا
وہ میرے سامنے جب پیرہن بدلنے لگا

بہم ہوئے ہیں تو اب گفتگو نہیں ہوتی
بیان حال میں طرزِ سخن بدلنے لگا

اندھیرے میں بھی مجھے جگما گیا ہے کوئی
بس اک نگاہ سے رنگِ بدن بدلنے لگا

ذرا سی دیر کو بارش رکی تھی شاخوں پر
مزاج سون و سرو سمن بدلنے لگا

فراز کوہ پہ بجلی کچھ اس طرح چکی
لباس دادی و دشت و دمن بدلنے لگا



تری نظر میں کھاں باریاب ہونا تھا
تمام عمر یہی اضطراب اب ہونا تھا

صبا چلی ہے جس انداز سے گلتاں میں
کسی کو لالہ، کسی کو گلاب ہونا تھا

بڑی امید تھی کارِ جہاں میں دل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

سفر کی رات مسافر کی میزبانی کو
کوئی ستارہ، کوئی ماہتاب ہونا تھا

بس اتنی عمر تھی اُس سرزمین دل پہ مری
پھر اس کے بعد اسے وہم خواب ہونا تھا



زندگی کوئے ملامت میں تو اب آئی ہے
 اور کچھ چاہنے والوں کے سبب آئی ہے
 ہم فقیروں میں کسی طور شکایت تیری
 لب پہ آئی بھی تو تاحدِ ادب آئی ہے
 پھول سے کھلتے چلتے جاتے ہیں جیسے دل میں
 اس گلستان میں عجبِ موجود طرب آئی ہے
 میری پوشک میں تارے سے اچانک چمکے
 کس کے آنگن سے یہ ہوتی ہوئی شب آئی ہے
 کس سے پوچھوں پس دیوار چمن کیا گزری
 میرے گھر میں تو ہوا مہر بہ لب آئی ہے
 کون سے پھول تھے کل رات ترے بستر پر
 آج خوشبو ترے پہلو سے عجب آئی ہے



حیراں بخوبیِ رنگ میں یہ چشم کب سے ہے
 اس باغ میں بہار کسی کے سبب سے ہے

کب شکوہِ تغافل و بیدار سب سے ہے
 ٹھجھ سے گلہ ہے اور نہایتِ ادب سے ہے

ہر شے میں حُسن اُس کے مقابل سے آئے گا

مہتاب کا جمال بھی زنگار شب سے ہے

یہ عشق ہے اور اس میں سرافرازی و کمال
رخسار و خال و خط سے نہ نام و نسب سے ہے

اس دل میں شوق دید زیادہ ہی ہو گیا
اس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے



ایک اُداس نظم

یہ حسین شام اپنی
ابھی جس میں گھل رہی ہے
ترے پیرہن کی خوبیو
ابھی جس میں کھل رہے ہیں
مرے خواب کے شگونے

ذراء دیر کا ہے منظر!
ذراء دیر میں افق پہ
کھلے گا کوئی ستارہ
تری سمت دیکھ کر وہ
کرے گا کوئی اشارہ
ترے دل کو آیا گا پھر
کسی یاد کا بلاوا
کوئی قصہ جدائی

کوئی کارِ نامکمل
 کوئی خواب نا شگفتہ
 کوئی بات کہنے والی
 کسی اور آدمی سے !
 ہمیں چاہیے تھا ملنا
 کسی عہدِ مہرباں میں
 کسی کے خوابِ یقین میں
 کسی اور آسمان پر
 کسی اور سر زمیں میں !



فیض کے فراق میں

شہرِ خاک
 کیسا چراغ وقت نے رکھ دیا
 کہ سیاہ پوش ہوئی ہوا
 کفِ دستِ باوصبائے پھول یہ کیا گرا
 چمنِ نگاہ میں اب بہار کہیں نہیں
 ہمه شہر راہ میں اور نگار کہیں نہیں
 پُل سبز پر کوئی انجم راہ فروزان اب نہیں خیمه گش
 وہ غبار اٹھا ہے کہ سو جھتنا نہیں راستہ
 مرے ماہتاب کہاں ہے تو
 کوئی اور بھی ہے نظامِ مہر و نجوم جس کو روایا ہے تو
 ترے فرشِ نیلوفری پکون سے بُرجن کی یہ کشش بڑھی

کہ طسم خاتہ ہست میں تری روشنی کا قیام اتنا لکھا گیا
 مرے لئے نواز
 قبائے ساز ترے فراق میں چاک ہے
 وہ سکوت شہرخن میں ہے
 کہ صدائے گری یہ شب نم شب تاردل کو سنائی دے
 تہہفت جملہ نور ایک ہی خواب ہے
 کوئی مجزہ ہو کہ شکل تیری دکھائی دے!
 کوئی سلسلہ ہو کہ راہ پھر سے بُجھائی دے!



تیری خوبیو کا پتا کرتی ہے
 مجھ پہ احسان ہوا کرتی ہے
 پُوم کر پھول کو آہتہ سے
 معجزہ بادِ صبا کرتی ہے
 کھول کر بندِ قبا، گل کے، ہوا
 آج خوبیو کو رہا کرتی ہے
 ابر بر سے تو عنایت اُس کی
 شاخ تو صرف دعا کرتی ہے
 زندگی پھر سے فضا میں روشن
 مشعل برگ حنا کرتی ہے
 ہم نے دیکھی ہے وہ اجلی ساعت
 رات جب شعر کہا کرتی ہے
 شب کی تہائی میں اب تو اکثر

گفتگو تجھ سے رہا کرتی ہے
 دل کو اُس راہ پہ چلتا ہی نہیں
 جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے
 زندگی میری تھی لیکن اب تو
 تیرے کہنے میں رہا کرتی ہے
 اُس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ یہ آنکھ
 دل کا احوال کہا کرتی ہے
 مصحف دل پہ عجب رنگوں میں
 ایک تصویر بنا کرتی ہے
 بے نیاز کف دریا انگشت
 ریت پر نام لکھا کرتی ہے
 دیکھ تو آن کے چہرہ میرا
 اک نظر بھی تری ، کیا کرتی ہے
 زندگی بھر کی یہ تاخیر اپنی
 رنج ملنے کا سودا کرتی ہے
 شام پڑتے ہی کسی شخص کی یاد
 کوچھ جاناں میں صدا کرتی ہے
 مسئلہ جب بھی چراغوں کا اٹھا
 فیصلہ صرف ہوا کرتی ہے

ق

مجھ سے بھی اس کا ہے ویسا ہی سلوک
 حال جو تیرا انا کرتی ہے
 دُکھ ہوا کرتا ہے کچھ اور بیان
 بات کچھ اور ہوا کرتی ہے



اک ہنر تھا ، کمال تھا کیا تھا
 مجھ میں تیرا جمال تھا کیا تھا
 تیرے جانے پا اب کے کچھ نہ کہا
 دل میں ڈر تھا ، ملاں تھا کیا تھا
 برق نے مجھ کو کر دیا روشن
 تیرا عکسِ جلال تھا کیا تھا
 ہم تک آیا تو میر لطف و کرم
 تیرا وقتِ زوال تھا کیا تھا
 جس نے تھہ سے مجھے اچھال دیا
 ڈوبنے کا خیال تھا کیا تھا
 جس پہ دل سارے عہد بھول گیا
 بھولنے کا سوال تھا کیا تھا
 تتلیاں تھیں ہم اور قضا کے پاس
 سُرخ پھولوں کا جال تھا کیا تھا



اے رنج بھری شام

دہلیزِ ساعت پہ کسی وعدے کی آہٹ

اترے کہ نہ اترے

اے رنج بھری شام!

ڈکھتے ہوئے دل پر

کوئی آہتہ سے آکر
اک حرفِ تسلی تو رکھ پھول کی ماندا!



ایک پیغام

وہ موسم ہے
بارش کی بنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں
سنہری پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اور ڈھنی کارنگ پھر ہلاکا گلابی ہے
شنا سا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھر ارستہ
ہماری راہ تکتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت
ہماری منتظر ہے



وہ کیسی ، کہاں کی زندگی تھی
جو تیرے بغیر کٹ رہی تھی
اُس کو جب پہلی بار دیکھا

میں تو جیران رہ گئی تھی
 وہ چشم تھی سحر کار بے حد
 اور مجھ پہ طسم کر رہی تھی
 لوٹا ہے وہ پچھلے موسوں کو
 مجھ میں کسی رنگ کی کمی تھی
 صحراء کی طرح تھیں خشک آنکھیں
 بارش کہیں دل میں ہو رہی تھی
 آنسو مرے چوتا تھا کوئی
 دُکھ کا حاصل یہی گھڑی تھی
 سُننتی ہوں کہ میرے تذکرے پر
 ہلکی سی اُس آنکھ میں نمی تھی
 غربت کے بہت کڑے دنوں میں
 اُس دل نے مجھے پناہ دی تھی
 سب گرد تھے اُس کے اور ہم نے
 بس دُور سے اک نگاہ کی تھی



تیرے اجائے کیا کسی اور دیار بس گئے
 اے مرے ماہ نیم ماہ لوگ تجھے ترس گئے

تیرے گرم کی ڈھوپ تو خیر کے نصیب تھی
 تیرے ستم کے ابر بھی اور کہیں بُس گئے

تیری رضا کے سامنے اب ہمیں دیکھنا ہے کیا
عشق کے امتحان میں ذہن کے پیش و پس گئے

ساری فضائے حرف و صوت عطر مزاج ہو گئی
بزمِ سخن سے ہو کے آج کیسے حتا نفس گئے

کیا انہیں میری خاک سے بُوئے رفاقت آئی تھی
اس کی گلی میں ڈور تک کیسے یہ خار و خس گئے



ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا
اس نے بھی بھول جانے کا وعدہ نہیں کیا

دُکھ اوڑھتے نہیں کبھی جشن طرب میں ہم
لبوسِ دل کو تن کا لبادہ نہیں کیا

جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اس کا خود
سر زیر بار ساغر و بادہ نہیں کیا

کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام
اس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا

آمد پہ تیری، عطر و چراغ و سبو نہ ہوں

اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا



اس بار تو اپنے پاس تھے ہم
پھر کس کے لئے اُداس تھے ہم

آئی تھی ہمیں روگری بھی
اک دوسرے کا لباس تھے ہم

چکلے گئے جب بھی سر انھیا
فت پاتھ کی ایسی گھاس تھے ہم

منوع قرار پاگئے ہیں !
جس بزم میں حرف خاص تھے ہم

جلتے رہے، ہر ہوا کے آگے
کیا جانیجے کس کی آس تھے ہم



کھلا ہے آج دل لالہ فام کس کیلئے
وہ جاچکا ہے تو آئی ہے شام کس کیلئے

جو پھول کھلنے تھے وہ راکھ ہو چکے ہوں گے
نسیمِ صبح کو اب اذانِ عام کس کیلئے

وہ ٹھل عذر نہیں ہوگا اب چمن آرا
صبا کے ہاتھ سلام و پیام کس کیلئے

وہ مے گسار تو اے بادِ نو بہار گیا
شرابِ سُرخ سے بھرتی ہے جام کس کیلئے

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے



ایک دفنائی ہوئی آواز

پھولوں اور کتابوں سے آراستہ گھر ہے
تن کی ہر آسائش دینے والا ساتھی
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا بچہ
لیکن اس آسائش، اس ٹھنڈک کے رنگ محل میں
جہاں کہیں جاتی ہوں
بنیادوں میں بے حد گہری چُحنی ہوئی
اک آواز برابر گریہ کرتی ہے
مجھے زکالو!

مجھے نکالو!



مُراد

بھیڑیے!

میرے چاروں طرف بھیڑیے
 آنکھیں، حلقوں سے باہر
 زبانیں بھی نکلی ہوئی
 دھونکنی کی طرح سانس چلتی ہوئی
 میرے اطراف حلقہ کئے
 ایک لمحے کی غفلت کے یوں منتظر
 جس طرح کوئی ماہر شکاری
 دانہ و دام بھی
 سنگِ الزام بھی
 جاہ و انعام بھی
 جاں حاضر ہے ہر شکل کا!

پر مرے گرد
 ایسا الاؤ ہے روشن
 کہ ہر حیله و مکر کے باوجود
 یہ درندے
 فاسدے کو نجات پہ مجبور ہیں
 بھیڑیے آگ میں پاؤں رکھتے نہیں!



ثرات سے بھری آنکھیں

ستاروں کی طرح سے جملگاتی ہیں

ثرارت سے بھری آنکھیں!

مرے گھر میں اُجالا بھر گیا

تیری ہنسی کا

یہ ننھے ہاتھ جو گھر کی کوئی شے

اب کسی ترتیب میں رہنے نہیں دیتے

کوئی سامان آرائش نہیں اپنی جگہ پر اب

کوئی کیاری سلامت ہے

نہ کوئی پھول باقی

یہ مئی میں سنے پاؤں

جو میری خواب گہ کی دودھیا چادر کا ایسا حال کرتے ہیں

کہ کچھ لمحے گزر نے پرہی پیچانی نہیں جاتی

مگر میری جبیں پر بل نہیں آتا

کبھی رنگوں کی پچکاری سے

سرتاپا بھگو دینا

کبھی چُنڑی چھپا دینا

کبھی آنا عقب سے

اور مری آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر

پوچھنا تیرا

بھلا میں کون ہوں

بوجھیں تو جانوں!

میں تجھ سے کیا کہوں
 ٹوکون ہے میرا
 مرے نٹ کھٹ کہنیا!
 مجھے تو علم ہے اتنا
 کہ یہ بے نظم اور ناصاف گھر
 میری توازن گر طبیعت پر
 گراں بننے نہیں پاتا
 اگر تو میرے آنگن میں نہ ہوتا
 تو میرے خانہ آئینہ سامال میں
 بے اس ترتیب و آرائش
 اندھیرہ ہی رہا کرتا!



سفراب جتنا باقی ہے.....

بہت سردی ہے — متا
 ابھی چھ دیر
 میرا ہاتھ مت چھوڑیں!
 زمستاں کی ہوا سے کپکپاتا
 تو کہہ رہا تھا!
 زیادہ دن نہیں گزرے
 کہ میری گود کی گرمی
 تجھے آرام دیتی تھی
 گلے میں میرے بانہیں ڈال کر تو اس طرح سوتا

کہ اکثر ساری ساری رات میری
 ایک کروٹ میں گزر جاتی!
 مرے دامن کو پکڑے
 گھر میں تسلی کی طرح سے گھومتا پھرتا
 مگر پھر جلد ہی تجھ کو
 پرندوں اور پھولوں
 اور پھر ہجولیوں کے پاس سے ایسا بلا وَا آگیا
 جس کو پا کر
 مری انگلی چھڑا کر
 تو ہجومِ رنگ میں خوبصورت مل گیا تھا
 پھر اس کے بعد
 خوابوں سے بھرا بستہ لئے
 اسکوں کی جانب روانہ ہو گیا تو
 جہاں پر رنگ اور پھر حرف اور پھر ہند سے
 اور سو طرح کے کھیل تیرے منتظر تھے
 دل ابھاتے تھے
 ترے اُستاد مجھ سے معتر تھے
 دوست مجھ سے ٹوب تر تھے
 مجھے معلوم ہے
 میں تجھ سے پچھے رہ گئی ہوں
 سفراب جتنا باقی ہے
 وہ بس پسپائی کا ہی رہ گیا ہے
 تری دنیا میں اب ہر پل
 نئے لوگوں کی آمد ہے
 میں بے حد خامشی سے

ان کی جگہ میں خالی کرتی جا رہی ہوں
 ترا پھرہ نکھرتا جا رہا ہے
 میں پس منظر میں ہوتی جا رہی ہوں!
 زیادہ دن نہ گز ریں گے
 مرے ہاتھوں کی یہ دھیمی حرارت
 ٹھجھے کافی نہیں ہو گی
 کوئی خوش لمس دست یا سین میں آ کر
 گلابی رنگت حدت
 تیرے ہاتھوں میں سمو دے گا
 مرادل ٹجھ کو کھودے گا
 میں باقی عمر
 تیرا راستہ تکتی رہوں گی
 میں ماں ہوں
 اور مری قسمت جدائی ہے!



اپنے بیٹے کیلئے ایک نظم
 مرے بچے نے پہلی بار اٹھایا ہے قلم
 اور پوچھتا ہے
 کیا کھوں ماما؟
 میں ٹجھ سے کیا کھوں بیٹے
 کہ اب سے برسوں پہلے
 یلحہ جب مری ہستی میں آیا تھا

تو میرے باپ نے مجھ کو سکھائے تھے
 محبت اور نیکی اور سچائی کے کلمے
 مرے تو شے میں ان لفظوں کی روٹی رکھ کے وہ سمجھ تھا
 میرا راستہ کٹ جائیگا
 آگے سفر آسان ہو جائے گا شاید!
 محبت مجھ سے دُنیا نے وصولی
 قرض کی مانند
 نیکی سُود کی صورت میں
 حاصل کی
 مری سچائی کے سکے
 ہوئے رداں طرح سے
 کہ میں فوراً سن بھلنے کی نہ گرتا دیر کرتی
 تو سر پر چھت نہ رہتی
 تن پہ پیرا ہن نہیں بچتا
 میں اپنے گھر میں رہ کر
 عمر بھر جزیہ ادا کرتی رہی ہوں!

زمانہ

میرے خدشوں سے سوا عمار تھا
 اور زندگی
 میری توقع سے زیادہ بے مردود تھی
 تعلق کے گھنے جنگل میں
 پچھوسراتے تھے
 مگر ہم اس کو سرشاری میں
 فصل گل کی سرگوشی سمجھتے تھے
 پتہ ہی کچھ نہ چلتا تھا

کہ خوابوں کی چھپر کھٹ پر
لباسِ ریشمیں
کس وقت بن کر کینھلی اترا
مخاطب کے رو پہلے دانت
کب لمبے ہوئے
اور کان
کب پیچھے مڑے
اور پاؤں
کب غائب ہوئے یکدم!

میں اس کذب وریا
اس بے لحاظی سے بھری دنیا میں رہ کر
محبت اور نیکی اور سچائی کا اور شہ
ثُجھ کو کیسے منتقل کر دوں
مجھے کیا دے دیا اُس نے!
مگر میں ماں ہوں
اور اک ماں اگر مایوس ہو جائے
تو دنیا ختم ہو جائے
سو میرے خوش گماں نچے!
تو اپنی لوح آئندہ پہ
سارے خوبصورت لفظ لکھنا
سداق بولنا
احسان کرنا
پیار بھی کرنا
مگر آنکھیں گھلی رکھنا!



جُدائی کی پہلی رات

آنکھ بوجھل ہے
مگر نیند نہیں آتی ہے
میری گردن میں حمال تری بانہیں جو نہیں
کسی کروٹ بھی مجھے چین نہیں پڑتا ہے
سرد پڑتی ہوئی رات
ماں گلنے آتی ہے پھر مجھ سے
ترے زم بدن پر کی گرمی
اور در پھوں سے بھلکتی ہوئی آہستہ ہوا
کھوجتی ہے مرے غم خانے میں
تیری سانسوں کی گابی خوشبو!

میرا بستر ہی نہیں
دل بھی بہت خالی ہے
اک خلا ہے کہ مری روح میں دہشت کی طرح اتراء ہے
تیر انہاسا وجود
کیسے اس نے مجھے بھر کھا تھا
ترے ہوتے ہوئے دُنیا سے تعلق کی ضرورت ہی نہ تھی
ساری وابستگیاں ٹھجھ سے تھیں
ٹو مری سوچ بھی، تصویر بھی اور بولی بھی
میں تری ماں بھی، تری دوست بھی، ہبھوی بھی
تیرے جانے پہ گھلا
لفظ ہی کوئی مجھے یاد نہیں

بات کرنا ہی مجھے بھول گیا!
 ٹو مری روح کا حصہ تھا
 مرے چاروں طرف
 چاند کی طرح سے رقصان تھا مگر
 کس قدر جلد تری ہستی نے
 مرے اطراف میں سورج کی جگہ لے لی ہے
 اب ترے گرد میں رقصندہ ہوں!
 وقت کا فیصلہ تھا
 ترے فردا کی رفاقت کیلئے
 میرا امروز اکیلا رہ جائے
 مرے پچھے مرے لال
 فرض تو مجھ کو نبھانا ہے مگر
 دیکھ کتنی اکیلی ہوں!



بیٹھی ہے بال کھولے ہوئے میرے پاس شب
 آئی ہے کون شہر سے اتنی اُداس شب
 میں چپ رہی تورات نے بھی ہونٹ سی لئے
 میں اس کا پیر ہن ہوں تو میرا لباس شب
 گھر جلد لوٹ کر بھی تو منظر وہی رہا
 ویسی ہی سرد شام وہی نا سپاس شب
 شاید کہ کل کی صبح قیامت ہی بن کے آئے

اُتری ہے جسم و جان پہ بن کر ہر اس شب
سُورج کو دیکھنے کا سلیقہ کہاں ہمیں!

جب بھی نظر اٹھائی، رہی آس پاس شب
اے ماہِ مہرِ حسن، ترے عہد میں کبھی
دن ہی ہمیں خوش آئے نہ آئی ہے راس شب

مدت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی
پھر جلدِ حیات میں آئی ہے خاص شب



نظر کے سامنے اک راستہ ضروری ہے
بھکلتے رہنے کا بھی سلسلہ ضروری ہے

مثال ابر و ہوادل بہم رہیں لیکن
محبتوں میں ذرا فاصلہ ضروری ہے

وہ خوف ہے کہ سر شام گھر سے چلتے وقت
گلی کا ڈور تک جائزہ ضروری ہے

ملے اس آنکھ کو بھی تیرے خواب کی اجرت
چراغ کشہ کو اتنا صلہ ضروری ہے

نجانے فیصلہ باقی کہ اختلاف رہے
کنارِ متن کوئی حاشیہ ضروری ہے

تعاقات کے نامعتبر حوالوں میں
تمام عمر اک رابطہ ضروری ہے



آب اور جینے کی صورت نظر نہیں آئی
کسی طرف سے بھی اچھی خبر نہیں آتی

اُسی کے آس میں ہے دل کا ججراہہ تاریک
وہ روشنی جو کبھی میرے گھر نہیں آتی

وہ مہرباں ہے تو محراب و بام تک نہ رہے
یہ ڈھوپ کیوں پس دیوار و در نہیں آتی

روہ حیات میں اب کوئی ایسا موڑ نہیں
کہ جس کے بعد تری رہگزرنہیں آتی

قویت کی ہے ساعت تو اُسکو مانگ ہی لیں
کہ یہ گھڑی کبھی بار گرد نہیں آتی

سرائے خانہ دُنیا میں شام ہوتی ہے
مسافروں کو نوید سفر نہیں آتی



پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے
نگاہ میں ترا منصب بحال کرنا ہے

لہو سے پیش دیا اور پھر یہ طے پایا
اسی گلب کو اب پامال کرنا ہے

اس ایک مرہم نو روز و لمس تازہ سے
پُرانے زخموں کا بھی اندماں کرنا ہے

یہ غم ہے اور ملا ہے کسی کے در سے ہمیں
سو اس شجر کی بہت دیکھ بحال کرنا ہے

بھلا کے وہ ہمیں جیران ہے تو کیا کہ ابھی
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے



مقابل وقت میں خاموشی گواہی کی طرح
دل بھی کام آیا ہے گنمام سپاہی کی طرح

ایک لمحے کو زمانے نے رضا پوچھی تھی
گفتگو ہونے لگی ظلِ الہی کی طرح

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت تھرا
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

اُس نے خوببو سے کرایا تھا تعارف میرا
اور پھر مجھ کو بکھیرا بھی ہوا ہی کی طرح

گھُصْم ایک دیا اور ہوا کی اقلیم
چھلتی جائے مقدر کی سیاہی کی طرح



پھیلا ہوا ہے حدِ بصارت میں ٹور کیا
مہتاب نے کیا مرے اندر ظہور کیا

خود پھول کی طرح مجھے کھلنے کا شوق تھا
اُب تیز ہے ہوا تو ہوا کا قصور کیا

اک نقشِ موچ آب روائ پر بنا ہوا
ایے ہنر پہ فکرِ سخن کا غرور کیا

جب آمدِ بہار کا امکان نہیں
پھر نغمہ سخ ہوں گے فضا میں طیور کیا

ہر چیز فاصلے پر نظر آئی ہے مجھے
اک شخص زندگی میں ہوا مجھ سے دور کیا

سب خیریت کا سُن کے بدن سرد پڑ گئے
کس کو نہیں خبر کہ ہے میں السطور کیا

تکریم زندگی سے بھی اب دست گش ہیں ہم
اس سے زیادہ نذر گزاریں خصور کیا



چھاؤں بیج آئے ہیں یوں نفس سے مجبور ہوئے
وہ جو تقسیم ثمر یہ یہاں مامور ہوئے

شعبہ رزق خُدا نے جو رکھا اپنے پاس
نائب اللہ بہت بد دل و رنجور ہوئے

وہی شدّاد، وہی جنت خاشک نہاد
ویسے ہی عظمت یک لحظہ پر مغزور ہوئے

وہ رعونت ہے کہ لگتا ہے ازل سے ہیں یونہی
نشہ مسید شاہانہ سے محمور ہوئے

اپنی تقویم میں اب منظر فردا تو نہیں

عکسِ معزول سے کچھ اس طرح مسحور ہوئے

ہم وہ شہزاد سیہ بخت کہ دشمن کی بجائے
اپنے لشکر کے سبب شہر میں مسحور ہوئے

آب تو بس خواب کی بیساکھی پہ چلنا ہوگا
مدتیں ہو گئیں اس آنکھ کو معذور ہوئے



نشاطِ غم

دسمبر کا کوئی تجربہ نہ دن تھا

میں یورپ کے نہایت دور افراطی علاقے کی

کسی ویران طیاراں گاہ میں

بالکل اکیلی نچ پر بیٹھی تھی

اعلانِ سفر کی منتظر تھی

جہاں تک آنکھ شستے کے ادھر جاتی

ادا سی سے گلے ملتی

مسلسل برقراری ہو رہی تھی!

اچانک میں نے اپنے سے مخاطب

بہت مانوس اک آواز دیکھی

”آپ کیسی ہیں؟“

اکیلی ہیں؟

گھنے بالوں، چمکتی بُھوری آنکھوں،
لنیشیں بالتوں سے پُر
وہ پُر کشش لڑکا کہاں ہے؟
آپ دونوں ساتھ کتنے اچھے لگتے تھے!
مرے چہرے پر اک سایہ سالہ رایا تھا شاید
وہ آگے کچھ نہیں بولا!

میرا دل دُکھ سے کیسا بھر گیا تھا
مگر تہہ میں خوشی کی لہر بھی تھی
پُرانے لوگ ابھی بُھو لے نہیں ہم کو
ہمیں بچھڑے، اگرچہ
آج سولہ سال تو ہونے کو آئے!



وہ ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبر آ جاتا
تری جُدائی میں کس طرح صبر آ جاتا

فضیلیں توڑ نہ دیتے جو اب کے اہل قفس
تو اور طرح کا اعلان جبر آ جاتا

وہ فاصلہ تھا دُعا اور مستجابی میں
کہ دھوپ مانگنے جاتے تو ابر آ جاتا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا

برابری کا بھی ہوتا تو صبر آجاتا

وزیر و شاہ بھی خس خانوں سے نکل آتے
اگر گمان میں انگار قبر آجاتا



اُس سے ملنا ہی نہیں، دل میں تہیہ کر لیں
وہ خود آئے تو بہت سرد رویہ کر لیں

ایک ہی بار گھر را کھ ہو، جاں تو چھوٹے
آگ کم ہے تو ہوا اور مہیا کر لیں

کیا ضمانت ہے کہ وہ چاند اُتر آئے گا
تارِ مژگان کو اگر عقدِ ثریا کر لیں

سانس اُکھڑ جاتا ہے اب وقت کی ہم گامی میں
جی میں آتا ہے کہ ہم پاؤں کو پہیہ کر لیں

کوئی پوچھے کہ زبان کیا ہے تری تو پروین
وقت ایسا ہے کہ بہتر تقیہ کر لیں



جس بہت ہے

جس بہت ہے

اشکوں سے یوں آنچل گیلے کر کے ہم

دل پر کب تک ہوا کریں

باغ کے دار پُقل پڑا ہے

اور خوبصورت ہاتھ بند ہے ہیں

کے صدادیں

لفظ سے معنی بچھڑ کے ہیں

لوگ پُرانے اُجر چکے ہیں

ناہین قانون وطن میں جاری ہے

آنکھیں رکھنا

جرائم فتح ہے

قابل دست اندازی حاکم اعلیٰ ہے!

جس بہت ہے!



بہت دل چاہتا ہے

بہت دل چاہتا ہے

کسی دن غاصبوں کے نام لکھوں ایک گھلائخ

لکھوں اس میں

کہ تم نے چور دروازے سے آکر

مرے گھر کا تقدس

جس طرح پامال کر کے
 تو شہ خانے کو تصرف میں لیا ہے
 تمہاری تربیت میں، یہ رو یہ
 دشمنوں کے ساتھ بھی زیبا نہیں تھا!
 کلام فتح میں بھی
 یہ خن شامل نہیں تھا!
 یہاں تک بھی غنیمت تھا،
 تمہارے درپیش رُجھت آزمائی میں
 زر و سیم و جواہر تک نظرِ محمد و در کھتے تھے
 جوانوں کو تہہ تلوار کرتے
 مگر ماوں کی چادر
 بیٹیوں کی مسکراہٹ
 اور بچوں کے کھلونوں سے
 تعرض کچھ نہ کرتے
 مگر تم نے توحد کر دی
 نہ بیتِ المال ہی چھوڑا
 نہ یہود کی جمع پونچی
 اور اب تم نے
 ہماری سوچ کو بھی
 راجدھانی کا کوئی حصہ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے
 ہمارے خواب کی عصمت پر نظریں ہیں!
 قلم کا چھیننا
 آسان نہیں ہے!
 یہ درویشوں کی بستی ہے
 دبے پاؤں بھی یاں آنے کی تم جرأت نہیں کرنا

کرائے پر
قصیدہ خواں بھی اگر کچھ مل جائیں تو
قبیلے کے کسی سردار کی بیعت نہیں ملتی
ہمارے آخری ساتھی کی تحریک شہادت تک
تمہیں نصرت نہیں ملتی!



چیلنج

حاکمِ شہر کے ہر کارے نے
آدھی رات کے سانے میں
میرے گھر کے دروازے پر
دستک دی ہے
اور فرمان سنایا ہے
”آج کے بعد سے
ملک سے باہر جانے کے سب رستے، خود پر بند سمجھنا
تم نے غلط نظمیں لکھی ہیں،
اے۔ ایس۔ آئی سے کیا شکوہ
اُس نے اپنا ذہن کرائے پر دے رکھا ہے
وہ کیا جانے
مٹی کی خوشبو کیا ہے
ارضِ وطن کے رُخ سے بڑھ کر

آنکھوں کی راحت کیا ہے
 حاکم وقت کی نظروں میں
 میری وفاداری مشکوک ہی بھری تو
 مجھ کو کچھ پروانہیں
 جس منی نے مجھ کو جنم دیا ہے
 میرے اندر شعر کے پھول کھلائے ہیں
 وہ اس خوشبو سے واقف ہے
 اس کو خبر ہے
 فصلِ خزاں کو فصلِ خزاں کہنے کا مطلب
 گلشن سے غداری نہیں ہے
 اور اگر ایسا تھہرا تو
 حاکم وقت کے ہر کارے
 مجھ پر فرد جرم لگائیں
 خاکِ وطن کو حکم سنائیں!



۶ ستمبر ۱۹۸۷ کے لئے ایک دُعا

اے خدا!

میرے پیارے سپاہی کی تلوار میں زنگ لگنے لگا ہے
 اذانوں سے پہلے جو بیدار ہوتے تھے
 اب دن چڑھے تک
 چھپر کھٹ سے نیچے اترتے نہیں

ڈھوپ اگر سخت ہو جائے
بارش ذرا تیز ہو جائے تو
یہ جواں سال
گھر سے نکلتے نہیں
سرحدوں کے نگہباؤں اب کرسیوں کے طلبگار ہیں
اپنے آقا کے دربار میں
جنہیں چشم وابرو کی چیم تلاوت میں مصروف ہیں
سرخمیدہ ہیں
شانے بھی آگے کو نکلے ہوئے
بس نصابِ تملق کی تمجیل میں منہمک!

میرا دل رو پڑا ہے

اے خدا
میرے پیارے وطن پر یہ کسی گھڑی ہے
تراشے ہوئے جسم
آسائشوں میں پڑے
اپنی رعنائیاں کھور ہے ہیں
ذہن کی ساری یکسوئی مفقود ہے
اہلِ طبل و علم
اہلِ جاہ و حشم بن رہے ہیں
اور اس بات پر
دیکھتی ہوں کہ مغرور ہیں!

اے خدا!

میرے پیارے سپاہی کو سرحد کا رستہ دکھا
عشق اموال و حب مناصب سے باہر نکال
اس کے ہاتھوں میں
نُھولی ہوئی تیغ پھر سے تھما!



صیاد تو امکانِ سفر کاٹ رہا ہے
اندر سے بھی کوئی مرے پر کاٹ رہا ہے

آئے چادرِ منصب، ترا شوقِ گلِ تازہ
شاعر کا ترے دستِ ہنر کاٹ رہا ہے

جس دن سے شمار اپنا پنڈ گیروں میں ٹھہرا
اُس دن سے تو گلتا ہے کہ گھر کاٹ رہا ہے

کس شخص کا دل میں نے دکھایا تھا کہ اب تک
وہ میری دعاوں کا اثر کاٹ رہا ہے

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے



اگرچہ مجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
مگر یہ دل تری جانب سے صاف بھی نہ ہوا

تعاقات کے بربخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

عجب تھا جرم محبت کہ جس پر دل نے مرے
سرزا بھی پائی نہیں اور معاف بھی نہ ہوا

لامتوں میں کہاں سانس لے سکیں گے وہ لوگ
کہ جن سے کوئے جفا کا طواف بھی نہ ہوا

عجب نہیں ہے کہ دل پر جب مسلی کائی
بہت دنوں سے تو یہ حوض صاف بھی نہ ہوا

ہوائے دہر ! ہمیں کس لئے بجھاتی ہے
ہمیں تو مجھ سے کبھی اختلاف بھی نہ ہوا



رستے میں مل گیا تو شریک سفر نہ جان
جو چھاؤں مہرباں ہو اُسے اپنا گھر نہ جان

تہا ہوں اس لئے نہیں جنگل سے بھی مفر
اے میرے خوش گماں مجھے اتنا ٹھر نہ جان

ممکن ہے باغ کو بھی نکلتی ہو کوئی راہ!
اس شہر بے شجر کو بہت بے شر نہ جان

یاں اک محل تھا آگے زر و سیم سے بنا
اے خوش خرام! دل کو ہمارے ٹھنڈر نہ جان

ڈکھ سے بھری ہے لیک میر تو ہے حیات
اس رنج کے سفر کو بھی بارے ڈگر نہ جان



ای میں خوش ہوں مرا ڈکھ کوئی تو سہتا ہے
چلی چلوں گی جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے

زمینِ دل یونہی شاداب تو نہیں آئے دوست
قریب میں کوئی ڈریا ضرور بہتا ہے

گھنے درختوں کے گرنے پہ مساوئے ہوا!
عذاب ڈر بدڑی اور کون سہتا ہے

نجانے کون سا فقرہ کہاں رقم ہو جائے

دلوں کا حال بھی اب کون کس سے کہتا ہے

مقامِ دل کہیں آبادیوں سے ہے باہر
اور اس مکان میں جیسے کہ کوئی رہتا ہے

مرے بدن کو نمی کھائی ہے اشکوں کی!
بھری بہار میں کیا مکان ڈھتا ہے



شانےِ انجم و تسمیح کہکشاں کیلئے
یہ وہ زمیں ہے بنی تھی جو آسمان کیلئے

سفر کے باب میں کتنے عجیب لوگ ہیں ہم
کہاں کا قصد کیا چل پڑے کہاں کیلئے

ہوا کا زور کسی شب تو جا کے ٹوٹے گا
بچائے رکھنا ہے کوئی دیا مکان کیلئے

فضا میں ڈھند بہت بڑھ گئی ہے جب کوئی چشم
ستارہ بنے لگی میرے بادباں کیلئے

شاراءِ برق نہ زحمت کرے توجہ کی
بہت سی آگ میسر ہے آشیاں کیلئے

سفید پوشی دیوار و در نہ گھل جائے
بُجھائے دیئے ہیں چراغ اب تو مہماں کیلئے

فسانہ اپنا کسی اور باب میں ہے رقم
ہے انتخاب کسی اور داستان کیلئے
ہوا پہ لکھا ہوا حرف ہی سہی دنیا
تمام رنگ اسی نقش رایگاں کیلئے



کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی
محور سے زمین ہٹ گئی تھی

تجھ کو بھی نہ مل سکی مکمل
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی

شاید کہ ہمیں سنوار دیتی
جو شب آکر پٹ گئی تھی

رستہ تھا وہی پہ بن تمہارے
میں گرد میں کیسی آٹ گئی تھی

پت جھڑ کی گھڑی تھی اور شجر سے
اک بیل عجب پٹ گئی تھی



یوں وحشتِ رخصت میں نہ اس دل کو رکھا جائے
جانا ہے کسی کو تو اچانک ہی چلا جائے

پیوند کہاں تک لگیں اب خرقہ غم کو
اس پوشش رسوائی کو تبدیل کیا جائے

اک چادرِ دلداری ہے اس طرح سے مجھ پر
تن ہے کہ الجھتا رہے، سر ہے کہ گھلا جائے

سب کیلئے جاری ہے تو اے حُسن جہانگیر
اس بار غریبوں سے بھی انصاف کیا جائے

ہیں سرخ قبا اتنے کہ مشکل میں صبا ہے
ترمیں گلتاں کے لئے کس کو پڑا جائے

سمجھوتہ ہے تو اشکِ ندامت سے رقم ہو
اعلانِ بغاوت ہے تو پھر خون سے لکھا جائے

اے گردشِ دواراں ترے احسان بہت ہیں
چچھ دیر ترے ساتھ بھی اب رقص کیا جائے



دُنیا سے بے نیاز ہوں، اپنی ہوا میں ہوں
جب تک میں تیرے دل کی محبت سرا میں ہوں

اک تخت اور میرے برابر وہ شاہزاد
گلتا ہے آج رات میں شہر سبا میں ہوں

خوبیوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھنے لگی
حر بہار میں کہ طسمِ صبا میں ہوں

ورنه غبارِ ماہ بھی کب مجھ کو چھوٹکا
آہستہ رو ہوئی ہوں کہ شہرِ نوا میں ہوں

جیسے کوئی عقاب سے بلا تا ہے بار بار
بچپن سے اک عجیب سرابِ صدا میں ہوں

اس دل کو جب سے غم کی ضمانت میں دے دیا
اُس وقت سے کسی کے حصارِ دُعا میں ہوں



تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے
پھر موسم بہار مرے گلتاں میں ہے

اک خواب ہے کہ بارِ دُگر دیکھتے ہیں ہم
اک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے

تابش میں اپنی مہرو نجم سے سوا
جنگوںی یہ زمیں جو کفِ آسمان میں ہے

اک شاخ یاسین تھی کل تک خزان اثر
اور آج سارا باغ اُسی کی اماں میں ہے

خوبصورت کر کے نہ لائے چمن میں رنگ
اتنی تو سُوجہ بوجہ مرے باغبان میں ہے

لشکر کی آنکھ مالِ غنیمت پہ ہے لگی
سالارِ فوج اور کسی امتحان میں ہے

ہر جاں شارِ یادِ دہانی میں منہمک
نیکی کا ہر حسابِ دلِ دوستاں میں ہے

حیرت سے دیکھتا ہے سمندر مری طرف
کشتی میں کوئی بات ہے یا بادبائی میں ہے

اس کا بھی دھیان جشن کی شب اے سپاہِ دوست

باقی ابھی جو تیر، عدو کی کماں میں ہے

بیٹھے رہیں گے، شام تک تیرے شیشہ گر
یہ جانتے ہوئے کہ خسارہ دکاں میں ہے

مند کے اتنے پاس نہ جائیں کہ پھر گھلے
وہ بے تعلقی جو مزاج شہاب میں ہے

ورنہ یہ تیز ڈھونپ تو چھبٹی ہمیں بھی ہے
ہم چُپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تو سائبان میں ہے



بہار اپنی بہار پر ہے
درخت اپنا لباس تبدیل کر رہے ہیں
کہیں کسی شاخ سبز کی اوڑھنی پہلکی سنہری سی گوٹ لگ رہی ہے
کہیں کسی زرد رنگ پتی کا حاشیہ سرخ ہو رہا ہے
کہیں قبائے شجر گلابی سی ہو گئی ہے
کہیں ہرے پیڑ زرد، نارنج چادریں اوڑھنے لگے ہیں
کہیں فقط فرمزی سی اک روشنی درختوں پہ اپنا ہالہ کئے ہوئے ہے
کہیں پہ کنج چمن شہابی دلوں کی لو سے دمک اٹھا ہے
کہیں پہ جیسے زمرہ دیں شاخ اس پر عل کھل اٹھے ہیں
فضا میں یاقوت بہہ رہا ہے
ہوا کے رخسار سرخ ہونے لگے ہیں

اک خوشگوار ٹھنڈک نے شہر کو بازوؤں میں اپنے سمیت کر
خوش دلی سے یوں پیار کر لیا ہے
کہ صح گلنار ہو گئی ہے!
تمام پیڑوں کے ہاتھ سے پھول گرچکے ہیں
پر ایسا لگتا ہے
جیسے رنگ میں آگیار رنگ ریز کوئی
بڑی مہارت سے
ایک اک پیڑ کی قبار نگنے میں مصروف ہو گیا ہے
کہیں پہ شبنم کی آب ہے
اور کہیں پہ برق ہے دھوپ کی
جس کی روشنی میں
مرا چمن جھلما رہا ہے
خزاں کا چہرہ نکھار پر ہے
اک اور منظر کے رنگ و نوکی
بہار اپنی بہار پر ہے!



شہزادی کا المیہ

محل کے نیچے
ہجوم عشق منتظر ہے
کہ خواب گہ کا حریری پر دہ ذرا ہے تو
سب اپنے اپنے شناخت نامے ہوا میں لہرائیں
اور یہ کہنے کا موقع پائیں

کے علیا حضرت!
 ہمیں بھی پہچائیئے
 کہ ہم نے
 خزان کی رُت میں
 سیاہ اپریل کے اوائل میں
 شام بے وارثی اترنے کی ساعت بے لحاظ میں
 دودمان عالی جناب کو چادرِ عز اندھ کی تھی
 جن کے کناروں پر تارخوں سے اب تک
 ہمارے ناموں کے حرفِ اول کشیدہ ہوں گے
 جو خامشی سے گھلے سروں اور ننگے قدموں سے
 پارہ نان و جرمہ آب لے کے
 اس شام سمیت مقتل گئی تھیں
 وہ عورتیں ہمارے نکاح میں تھیں
 سوادِ شہر صبا میں
 خوشبو کی واپسی کیلئے
 وہ ہم تھے
 جو مثلِ خاشاک در بدر تھے
 شمالی یورپ کے دُورافتادہ نئے کدے میں
 تمام تر مرکزی نظامِ حرارت و نور و نفگی میں
 وہ ہم تھے جو
 سختِ اجنبیت کی برباری میں جل رہے تھے
 اور اپنے گھر بیار، اپنی املاک، اپنے پیشوں سے دُور ہو کر
 نئے وسیلوں سے رُزق کی دوڑ میں تھے شامل
 خمیری روٹی کی یاد میں
 سینوچ پہ کرتے رہے گزارا

(یہ کارِ غالیچہ و جواہر تو صرف فرصت کا مشغله تھے)۔

جو لوگ گمنام و سادہ دل تھے
سرشتِ موسم نہیں سمجھتے تھے
اور پیچھے وطن میں رہ کر
ہمارے حصے کے دن
عقوبات کدوں میں تنہا گزارنے
اور ہمارے حصے کے کوڑے بھی
نوش جان کرنے میں منہمک تھے
(شرکت کا رجھی تو کوئی اصول بھرا)
مُبَاح ہو گا کہ ان کی قربانیوں کا بھی کچھ حساب ہو جائے
اور عطا ہو
انہیں بھی
دینا رِ سرخ و رہوارِ مشک واراضی سبزہ آفرین و
کلاہِ زر تار و خلعت کا رِ چوب و دو شالہ شاہ طوسی!

جہاں پنه!
یہ تود کیھے
آپ کیلئے
ترک ہم نے کیا کچھ کیا ہے اب تک
کہیں ترقی کا ایک زینہ
کہیں عنایاتِ خسروی کا کوئی وسیلہ
کہیں کوئی منعفت اثر رشتہ سیاست
کہیں کوئی سیم رنگ شملہ
کہیں کوئی زرنگار طرہ
اور ان سے بڑھ کر

وطن کی خوبیو، وطن کی گرمی!

ہمارے ایثار کے تناسب سے
اب صلے کی نوید پہنچے
کسی دیارِ غزالِ چشمائیں گل عذارائیں ہم کو تفویض ہو مفارت
مناصب و مال و فصل و املاک کی وزارات
نہیں تو باب مشاورت ہی گھلے کسی پر
جو یہ نہیں تو
کسی علاقے کی صوبہ داری
کسی ریاست میں منصب چارہ ہزاری
بکارِ خاص افسروں کی لمبی قطار ہی میں کوئی جگہ دیں
ہمیں صلہ دیں!

کسی طرح قریب تاج و دربار کی فضیلت ہمیں عطا ہو
حضور کی بارگارہ جود و سخا میں
حاضر جو ہونا چاہیں
تو کوئی در باری ہمیں نہ رو کے
تو کوئی حاجب، مقرب خاص تک نہ ٹوکے
غلام گردش میں مثلِ موجود صبا گزرنے کی ہوا جازت!

یہ کیا کہ
ہم سے بہت کہیں بعد آنے والے تواریخ رتح میں اڑے پھریں
اور ہم فقط گرد راہ دیکھیں!
ہمیں صلہ دیں!

عريضوں اور عرضیوں کے طوفان پسہ میں
گھری ہوئی ایک شاہزادی
کبھی کبھی سوچتی تو ہو گی
کہ اپنی چھوٹی سی سلطنت کو
جو پہلے ہی دشمنوں کی آنکھوں میں خاربن کر کھٹک رہی ہے
خود اپنی پیاری سپاہ سے کس طرح بچائے!



سیرِ دُنیا کرے دل، باغ کا در تو کھولے
یہ پرندہ کبھی پرواز کو پر تو کھولے

میں تو، تا عمر، ترے شہر میں رکنا چاہوں
کوئی آکر مرا اسباب سفر تو کھولے

خود بھی جنگل کو مجھے کاٹنا آجائے
پر وہ شہزادہ مری نیند کا در تو کھولے

پھول کچھ تیز مہک والے بھی اس بار کھلیں
آکے برسات مرا زخم جگر تو کھولے

کتنی آنکھیں ہیں جو بھولی نہیں شب پیائی
بانوئے شہر مگر لطف کا دار تو کھولے



شہر کے سارے معتبر آخر اُسی طرف ہوئے
جانپ لشکرِ عدو، دوست بھی صف بہ صف ہوئے

جال سے گزر گئے مگر بھید نہیں ٹھلا کہ ہم
کس کی شکار گاہ تھے کس کیلئے ہدف ہوئے

مشہدِ عشق کے قریب صبح کوئی نہیں ملا
وہ بھی کہ جن کے ضامنی اہلِ قم و نجف ہوئے

اب تو فقط قیاس سے راہ نکالی جائے گی
جن میں تھیں کچھ بشارتیں خواب تو وہ تلف ہوئے

خانہ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آگیا
تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرف ہوئے



زندگی کی دھوپ میں اس سرپا اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکننے ہوں پر اپنا گھر تو ہے

جو بھی آئے گا یہاں دستک تو دے کر آئے گا

اک حصہ دیوار تو ہے اک حصہ در تو ہے

یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنی جنگ میں تنہائیں
کار زارِ زندگی میں میرا اک لشکر تو ہے

کون ہے اب تک عناصر کو بھم رکھے ہوئے
موسم بے چہرگی میں کوئی صورت گرت تو ہے

گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے

اک جھلک اُس کے ارادوں کی یہاں بھی دیکھ لی
فیصلے کے باب میں گو عرصہ محشر تو ہے

سانحہ دو نیم ہونے کا پرانا تو نہیں !
اور دلوں میں بھی، ابھی تاریخ کا کچھ ڈر تو ہے

ڈھونڈے گا پھر افق کھوئی ہوئی پرواز کا
دیکھنے میں آج یہ طاریشکستہ پر تو ہے

آسمان سبز گوں پر ایک تارہ ایک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو یہ خوشما منظر تو ہے



ہوائے تازہ میں پھر جسم و جاں فسانے کا
دریچہ کھولیں کہ ہے وقت اُس کے آنے کا

اثر ہوا نہیں اُس پر ابھی زمانے کا
یہ خواب زاد ہے کردار کس فسانے کا

کبھی کبھی وہ ہمیں بے سب بھی ملتا ہے
اثر ہوا نہیں ہے اُس پر ابھی زمانے کا

ابھی میں ایک محاڑِ دگر پر ابھی ہوں
پُتا ہے وقت یہ کیا مجھ کو آزمانے کا

گچھ اس طرح کا پُر اسرار ہے ترا لججہ
کہ جیسے راز گشا ہو کسی خزانے کا



ڈعا یہ کی ہی نہیں ٹو ہر امقدار ہو
ہوا کی طرح مگر سانس بھر میسر ہو

ای طرح رہیں گردش میں میرے شام و سحر
ٹو ہی مدام مری زندگی کا محور ہو

پھر عمر میں جس وقت شام ہو جائے
کوئی چراغِ جلانے کو گھر کے اندر ہو

کوئی بتائے کہ جن بھار کیسے منائیں
اک ایسی بیل جو صحنِ چمن کے باہر ہو

کبھی کبھی تو دلِ مضطرب یہ چاہتا ہے
کہ چاند رات ہو اور سامنے سمندر ہو

یہ دلِ میسر و موجود سے بہلتا نہیں
کوئی تو ہو جو مری دسترس سے باہر ہو



راہِ دشوار کی جو ڈھول نہیں ہو سکتے
ان کے ہاتھوں میں کبھی پھول نہیں ہو سکتے

تیرے معیار پہ پورے نہ اترنے والے
منصبِ عشق سے معزول نہیں ہو سکتے

اتنا خوب ہے مرا گلشن میں کہ اب میرے خلاف
پیڑ ہو جائیں مگر پھول نہیں ہو سکتے

حاکمِ شہر کے اطراف وہ پھرہ ہے کہ اب

شہر کے ڈکھ اُسے موصول نہیں ہو سکتے

فیصلے جن سے ہو وابستہ وطن کی قسم
صرف اندازوں پہ محمول نہیں ہو سکتے

خون پینے کو یہاں کوئی بلا آتی ہے
قتل تو روز کا معمول نہیں ہو سکتے

جُنہیں اُبُر دی شاہاں نہ سمجھنے والے
کسی ڈر بار میں مقبول نہیں ہو سکتے



زندگی بے سائبان، بے گھر کہیں ایسی نہ تھی
آسمان ایسا نہیں تھا اور زمین ایسی نہ تھی

ہم پھٹرنے سے ہوئے گراہ ورنہ اس سے قبل
میرا دامن تر نہ تھا تیری جبیں ایسی نہ تھی

اب جو بدلا ہے تو اپنی روح تک حیراں ہوں
تیری جانب سے میں شاید بے یقین ایسی نہ تھی

بدگمانی جب نہ تھی، تو بھی نہیں تھا معرض
میں بھی تیری شخصیت پر نکتہ چیں ایسی نہ تھی

کیا مرے دل اور کیا آنکھوں کا حصہ ہے مگر
چادرِ شب اس سے پہلے شبینمیں ایسی نہ تھی

کیا ہوا آئی کہ اتنے پھول دل میں کھل گئے
پچھلے موسم میں یہ شاخ یا نمیں ایسی نہ تھی



ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جائے
مری طرح سے کوئی زندگی تو کر جائے

تمام عمر تائف میں ہی بسر ہوگی
تری طرف سے نظر بے رخی تو کر جائے

چراغِ دل تھبہ محرابِ جاں نہ چھوڑے گی
ہوا کے ساتھ کوئی دشمنی تو کر جائے

پھر اس کے بعد جہاں میں کہیں پناہ نہیں
ترے خپور یہ جاں سرکشی تو کر جائے

وہ دشمنی کے بھی قابل نہ مجھ کو چھوڑے گا
اس آدمی سے یہ دل دوستی تو کر جائے



ہر ذرہ جیسے آئندہ بردوش ہو گیا
یہ کون تھا جو خاک میں روپوش ہو گیا

اس کشکش میں ہم نے ہی کھینچا وفا سے ہاتھ
بار بجا سے کوئی سبکدوش ہو گیا

اک دل اور اُس پہ اتنا ہجومِ غم والم
اچھا ہوا کہ زود فراموش ہو گیا

آوازِ احتجاج ہی مدھم تھی یا کہ پھر
وہ شور تھا کہ شہر گراں گوش ہو گیا

اک شخص کیا گیا کہ بھرا شہر دفعتاً
بے حوصلہ و بد دل و کم کوش ہو گیا

ٹو انتخاب رنگ میں مصروف اور ادھر
کوئی ترے جنوں میں سیہ پوش ہو گیا

اک شخص ٹوکتا تھا بہت اہل شہر کو
مزدہ کہ آج رات وہ خاموش ہو گیا



حلقہ در حلقہ برائے پندو وعظ آنے لگے
تیرے کوچے میں گئے اور لوگ سمجھانے لگے

عکس بے منظر سے دل تسلیم سی پانے لگے
ڈھونپ میں جیسے کوئی آئینہ چمکانے لگے

باغ اور ابر بہار اور رات اور خوشبوئے دوست
ایک خواہش سو طرح کے رنگ دکھلانے لگے

اتنی خاموشی بھی گرد و پیش میں طاری نہ ہو
دل دھڑکنے کی صدا کانوں میں صاف آنے لگے

زرد ہوتا جا رہا ہے صحنِ دل کا ہر شجر
جس طرح اندر ہی اندر ڈکھ کوئی کھانے لگے

تیری دُنیا سے نکل جاؤں میں خاموشی کے ساتھ
قبل اس کے ٹو مرے سائے سے کترانے لگے

پیش آثارِ قدیمه رُک گئے میرے قدم
شہر کے دیوار و در پکھ جانے پہچانے لگے



دل کی بربادی کا کوئی سلسلہ پہلے سے تھا
اس چراغِ شب پر الطاف ہوا پہلے سے تھا

اُس کے یوں ترکِ محبت کا سبب ہو گا کوئی
جی نہیں یہ مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا

دونوں اپنی زندگی کے جھٹپٹے میں ہیں مگر
اس طرح ملنا مقدار میں لکھا پہلے سے تھا

اُب تو رُخْمِ دل نمک خوارِ توجہ ہے ترا
نام پر جاری ترے حرفِ دعا پہلے سے تھا

راستہ نہولا نہیں اُب کے پرندِ خوش خبر
اور کچھ اُجزا ہوا شہر سا پہلے سے تھا

تیرے آنے سے تو بس زنجیر ہی بدی گئی
ہم اسیروں پر جفا کا باب وا پہلے سے تھا



اُسی دن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے
مگر کیا روٹھنا اُس سے وہ اپنی دُھن میں رہتا ہے

مدارتِ الْمِ میں وہ نہیں شرکت کا کچھ قائل
نہ اپنے دُکھ بتاتا ہے نہ میرے رنج سہتا ہے

لپ خاموش، چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھکو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے اور دُکھ تک نہیں ہوتا
مرے اندر تو ترے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے

خیال یار ابھی روشن، ابھی نظروں سے اوچھل ہے
ابھی یہ ریشمیں دریا پہاڑوں میں ہی بہتا ہے



چارہ سازوں کی اذیت نہیں دیکھی جاتی
تیرے یمار کی حالت نہیں دیکھی جاتی

دینے والے کی مشیت پہ ہے سب کچھ موقوف
ماگنے والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

دن بہل جاتا ہے لیکن ترے دیوانوں کی
شام ہوتی ہے تو وحشت نہیں دیکھی جاتی

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن

ہم سے ان آنکھوں کی حرمت نہیں دیکھی جاتی

کون اُڑا ہے یہ آفاق کی پہنائی میں
آئینہ خانے کی حیرت نہیں دیکھی جاتی



جُز غبار را کچھ پیش نظر رکھا نہیں
ہم نے اپنے ساتھ اسباب سفر رکھا نہیں

ایک گوزہ، اک عصا، اک خرقہ بگل کے سوا
ہم فقیروں نے کسی نعمت کو گھر رکھا نہیں

ایک بار اُس نے مرے عیبوں پہ پردہ رکھ لیا
اس رعایت کو مگر بارے دُگر رکھا نہیں

رات تھے گھر پر چراغ اور عطر اُس کے منتظر
پاؤں تک لیکن ہوانے بام پر رکھا نہیں

جنگلوں میں شام اُتری، خون میں ذات قدیم
دل نے اُس کے بعد انہوںی کا ڈر رکھا نہیں



پہنچے جو سر عرش تو نادار بہت تھے
دُنیا کی محبت میں گرفتار بہت تھے

گھر ڈوب گیا اور انہیں آواز نہیں دی
حالانکہ مرے سلسلے اُس پار بہت تھے

چھت پڑنے کا وقت آیا تو کوئی نہیں آیا
دیوار گرانے کو رضاکار بہت تھے

گھر تیرا دکھائی تو دیا ڈور سے لیکن
رستے تری بستی کے پُراسرار بہت تھے

ہنستی ہوئی آنکھوں کا گنگر کہتے رہے ہم
جس شہر میں نوچ پس دیوار بہت تھے

یہ بے رُخی اُک روز تو مقصوم تھی اپنی
ہم تیری توجہ کے طلبگار بہت تھے

آسائش دُنیا کا فسول اپنی جگہ ہے
اس سکھ میں مگر روح کے آزار بہت تھے



وقت ہوتا کہ مرا بخت عنان گیر، سو ہے
شجھ سے ملنے میں یونہی ہونی تھی تاخیر، سو ہے

ہم ہی اس بار تپ غم سے نہ بچنے پائے
وہ جو ہوتی تھی ترے ہاتھ میں تاثیر سو ہے

اتنی دشوار نہیں تھی گڑھ غم کی کشود
بے ہنر ہی تھا مرا ناخن تدبیر سو ہے

زم بہت تجھ میں ہے لیکن مرے خوابوں کے غزال
دل کو ہونا تھا ترے پاؤں کی زنجیر، سو ہے

میں ستاروں کی سفارش بھی اگر لے آتی
یہی لکھتی تھی مرے خوابوں کی تعبیر، سو ہے



موجهِ گل کو ہم آواز نہیں کر سکتے
دون ترے نام سے آغاز نہیں کر سکتے

اس چن زار میں ہم کو سبزہ بیگانہ سبی
آپ کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے

عشق کرنا ہے تو پھر سارا اٹاٹہ لا میں

اس میں تو کچھ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

ڈکھ پہنچتا ہے بہت دل کو رویے سے ترے
اور مداوا ترے الفاظ نہیں کر سکتے

عشق میں یہ بھی گھلا ہے کہ اٹھانا غم کا
کارِ دشوار ہے اور بعض نہیں کر سکتے



لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی.....

اک عمر کے بعد اس کو دیکھا!

آنکھوں میں سوال تھے ہزاروں

ہونٹوں پے مگر وہی تمسم!

چہرے پے لکھی ہوئی اداسی

لبجے میں مگر بلا کاٹھراو

آواز میں گونجتی جدائی

بانیں تھیں مگر وصال سامان!

سمٹی ہوئی اس کے بازوؤں میں

تادیریں میں سوچتی رہی تھی

کس ابرِ گریز پا کی خاطر

میں کیسے شجر سے کٹ گئی تھی

کس چھاؤں کو ترک کر دیا تھا

میں اُس کے گلے لگی ہوئی تھی
وہ پُوچھ رہا تھا مرے آنسو
لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی!



GOOD TO SEE YOU

بہت دنوں کے بعد اے
اک محفل میں دیکھا تھا
اک لمحے کو ہجر و وصال کے سارے موسم
آنکھوں میں لہرا سے گئے
دل میں چراغ سے جل اٹھے
اس سے گلے ملنے کے تصور سے ہی
جیسے سارا وجود
پھول کی صورت کھل اٹھا
اُن ہاتھوں کے لمس کو سوچ کے
سارا جسم سُلگ اٹھا
اُن ہونٹوں کی گرم گلابی نرمی کا خوش رنگ خیال
ہونٹوں پر مسکا اٹھا!

حلقة یاراں سے آخر
میری طرف وہ بھی آیا بھی
میری جانب دیکھا بھی
پر جو کہا تو اتنا کہا

آپ سے مل کر خوشی ہوئی
میرے صحنِ دل میں اچانک ہونے والی
پت جھڑ سے یکسر لعلم!



ایک منظر

کچا سا اک مکاں، کہی آبادیوں سے دُور
چھوٹا سا ایک جگہ، فرازِ مکان پر
سربزے سے جھانکتی ہوئی کھپر میل والی چھت
دیوار چوب پر کوئی موسم کی بزر نیل
اتری ہوئی پہاڑ پہ برسات کی وہ رات
کمرے میں لالشین کی ہلکی سی روشنی
وادی میں گھومتا ہوا اک چشمہ شریغ
کھڑکی کو پھومتا ہوا بارش کا جلترنگ
سانسوں میں گونجتا ہوا اک آن کہی کا بھیدا!



اُس نے پھول بھیجے ہیں

اُس نے پھول بھیجے ہیں
پھر مری عیادت کو
ایک ایک پتی میں

آن جمیل ہاتھوں کی
خوشگوار حدّت ہے
آن لطیف سانسوں کی
دنواز خوبیو ہے

دل میں پھول کھلتے ہیں
روح میں چراغاں ہے
زندگی معطر ہے!

پھر بھی دل یہ کہتا ہے
بات کچھ بنالیتا
وقت کے خزانے سے
کاش وہ خود آ جاتا!



HOT LINE

اُس کو مجھ سے کتنا گلہ تھا
”میرے اور تمہارے بیچ
اتنے لوگ آ جاتے ہیں
بات نہیں ہو سکتی ہے

موسم کی پہلی بارش میں
رُت کی پہلی برفوں میں
پُورے چاند کی راتوں میں

شام کی مدھم خوشبو میں
صحیح کی نیلی ٹھنڈک میں
کتنا بے بس ہوتا ہوں
دل کتنا دُکھ جاتا ہے!“

آج مرے اور اس کے پنج
کوئی تیرا فرد نہیں ہے
ہاتھ کی اک ہلکی جنبش سے
مجھ سے رابطہ ہو سکتا ہے
لیکن وہ آواز سنئے
کتنے موسم بیت گئے
میرے لئے بھی اُس کو بلاانا
اتنا مشکل نہیں رہا
لیکن سچی بات یہ ہے کہ
لہجوں اور آوازوں کے
ویسے رنگ نہیں ہیں اب
دُھن تو وہی ہے لیکن دل
ہم آہنگ نہیں ہیں اب!



VANITY THE NAMEM IS.....

بہت سادہ ہے وہ
اور اُس کی دُنیا، میری دُنیا سے سراسر مختلف ہے

الگ ہیں خواب اُس کے
زندگی میں اُس کی ترجیحات ہی کچھ اور لگتی ہیں
بہت کم بولتا ہے
مجھے اُس نے لکھا ہے
صحیح
میں نے لان میں کچھ خوبصورت پھول دیکھے
مجھے بے ساختہ یاد آگئیں تم!

مجھے معلوم ہے
میں عمر کے اُس ملکجے حصے میں ہوں
جب میرا چہرہ
کسی بھی بھول سے قربت نہیں رکھتا
مگر جی چاہتا ہے
اس کی باتوں پر
ذریعی دیر کو ایمان لے آؤ!



دل کو مہرومہ و انجم کے قریں رکھنا ہے
اس مسافر کو مگر خاک نشیں رکھنا ہے

سمہ لیا بوجھ بہت کوزہ چوب و گل کا
اب یہ اسباب سفر ہم کو کہیں رکھنا ہے

ایک سیالب سے ٹوٹا ہے ابھی ظلم کا بند
ایک طوفان کو ابھی زیرِ زمیں رکھنا ہے

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گھری
صحح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھنا ہے

درد نے پوری طرح کی نہیں تہذیب اس کی
ابھی اس دل کو ترا حلقة نشیں رکھنا ہے



جب کبھی خوبی قسمت سے تجھے دیکھتے ہیں
آئینہ خانے کی حیرت سے تجھے دیکھتے ہیں

وہ جو پامال زمانہ ہیں مرے تخت نشیں
دیکھ تو کیسی محبت سے تجھے دیکھتے ہیں

کاسنے دید میں بس ایک جھلک کا سکے
ہم فقیروں کی قاعات سے تجھے دیکھتے ہیں

تیرے کوچے میں چلے جاتے ہیں قاصد بن کر
اور اکثر اسی صورت سے تجھے دیکھتے ہیں

تیرے جانے کا خیال آتا ہے گھر سے جس دم
در و دیوار کی حرث سے تجھے دیکھتے ہیں

کہہ گئی پاؤ صبا آج ترے کان میں کیا
پھول کس درجہ شرات سے تجھے دیکھتے ہیں

تجھ کو کیا علم تجھے ہارنے والے کچھ لوگ
کس قدر سخت ندامت سے تجھے دیکھتے ہیں



امید مجذہ یک نظر پہ زندہ ہیں
طبیب سنہر دعا کے اثر پہ زندہ ہیں

ہم اہل حاجت و ارباب احتیاج تو کیا
فقیہہ شہر بھی اب حب زر پہ زندہ ہیں

یہ اور بات کہ حاکم تھے بیشتر نااہل
ہم ایسے لوگ تو صرف نظر پہ زندہ ہیں

خدا کرے کہ ہوا کو ابھی پتہ نہ چلے
کہ کچھ چراغ مرے بام و در پہ زندہ ہیں

رہ وفا میں ابھی ہیں کچھ ایسے لوگ کہ جو
سفر سے بڑھ کے خیال سفر پہ زندہ ہیں

عطای ہوئی جنہیں دربار سے کبھی خلعت

خیال بخش بار دگر پ زندہ ہیں



گلابی پھول دل میں کھل چکے تھے
ہم اس موسم میں تجھ سے مل چکے تھے

توبہ سے تری پھر گھل رہے تھے
وگرنہ زخم تو یہ سل چکے تھے

ستون کتنا سہارا ان کو دیتے
جو گھر بنیاد سے ہی ہل چکے تھے

پرانی اجنبیت لوٹ آئی
ہم ان سے اور وہ ہم سے مل چکے تھے

تروتازہ تھی جا راہ جنوں میں
اگرچہ پاؤں اپنے چھل چکے تھے



تمہاری زندگی میں

تمہاری زندگی میں

میں کہاں پر ہوں؟
 ہوا ے صحیح میں
 پا شام کے پہلے ستارے میں
 بچھکتی بوندا باندی میں
 کہ بے حد تیز بارش میں
 رو پہلی چاندنی میں
 یا کہ پھر پتی دو پھروں میں
 بہت گھرے خیالوں میں
 کہ بے حد سرسری دھن میں
 تمہاری زندگی میں
 میں کہاں پر ہوں؟

ہجوم کا رے گھبرا کے
 ساحل کے کنارے پر
 کسی دیک اینڈ کا وقفہ
 کہ سگرٹ کے تسلی میں
 تمہاری انگلیوں کے نیچ
 کوئی بے ارادہ ریشم میں فرصت؟
 کہ جامِ سُرخ سے
 یکسر تھی
 اور پھر سے
 بھر جانے کا خوش آداب لمحہ
 کہ اک خوابِ محبت ٹوٹنے
 اور دوسرا آغاز ہونے کے
 کہیں ما بین اک بے نام لمحے کی فراغت؟

تمہاری زندگی میں
میں کہاں پر ہوں؟



ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا۔۔۔۔۔

ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا
ترے شانوں پر کوئی چھٹ نہیں تھی
مرے ذمے کوئی آنگن نہیں تھا
کوئی وعدہ تری زنجیر پابند نہیں پایا
کسی اقرار نے میری کلامی کو نہیں تھاما
ہوائے دشت کی مانند

ٹو آزاد تھا

رستے تری مرضی کے تابع تھے
مجھے بھی اپنی تہائی پ
دیکھا جائے تو
پورا تصرف تھا!

مُرجِب آج ٹونے
راستہ بدلا
تو کچھ ایسا لگا مجھ کو
کہ جیسے ٹونے مجھ سے بے وفائی کی!



نیا گرہ فالز

فرازِ کوہ سے گرتی ہوئی سیال چاندی
 نگارِ زندگی کا خواب سیمیں
 طسم آب میں عکسِ پہر لا جور دی دم بخود ہے
 فسوںِ رنگ میں ڈوبی زمین آبنوی ہفت پیکر ہو گئی ہے
 خم محراب کوہ ارغوانی پر
 روپہلی مسکراہٹ ہے
 ستارہ دار جیسے
 قوسِ آب نیلمیں کے گرد چکر کاٹتی ہیں
 عجب آواز ہے یہ
 عجب قوت سے یہ اپنی طرف مجھ کو بلا تے ہیں
 لہو میں رقص کرتی جا رہی ہے وحشت پیغم
 دریں وحشت بطریز آہوئے دیوانہ می رقصم
 کہ آب آتش شد و من صورت پروانہ می رقصم



ولیست مسٹر ایب

قدم نہیں اٹھتے ہیں
 جانے کس کے سر پا

کس کے دل پر
 پاؤں پڑ جائے
 یہاں اس ٹھنڈے فرش کے نیچے
 گرمی خواب سے جلنے والی
 کتنی آنکھیں خوابیدہ ہیں
 کتنے کشیدہ سر اب کیسے خمیدہ ہیں
 وہ جود نیاوی فرہنگ میں
 خوش طالع کہلاتے تھے
 جن کے بخت کاتارہ
 وقت کے ماتھے پر کچھ ایسے چکا
 جیسے کبھی غروب نہ ہوگا
 جن کی فکر نے

ایک ہجوم کا دھارا موڑا تھا
 کوئی وقت، کوئی حرکت اور کوئی مقام سے آگے تھا
 دو تسلیوں کا نکراو!

عزتِ نفس کا پرچم آ کر کیسی ہوا میں اہرایا تھا
 خاموشی کی اک اپنی آواز ہے لیکن
 خد سے بڑھے تو
 سن آتا بھی بول اٹھتا ہے!

گرجا کے اس سحر زدہ سے نیم دھنڈ لکھے میں
 دیواروں پر بنی ہوئی تصویریں زندہ لگتی ہیں
 خندہ استہزا سے مجھ کو دیکھتی ہیں
 لڑکی! تو کس زعم میں ہے
 شعر تو ہم بھی لکھتے ہیں
 ہم بھی آگ سے خاک ہوئے

کل ٹو بھی میشی میں میشی ہو جائے گی
لیکن ہم میں اور شجھ میں اک فرق رہے گا
تیرے نام کا تارہ بھی
تیری طرح بُجھ جائے گا!



جانے کب تک رہے یہی ترتیب
دو ستارے کھلے قریب قریب

چاند کی روشنی سے اس نے لکھی
میرے ماتھے پہ ایک بات عجیب

میں ہمیشہ سے اُس کے سامنے تھی
اُس نے دیکھا نہیں تو میرا نصیب

روح تک جس کی آنچ آتی ہے
کون یہ شعلہ رو ہے دل کے قریب

چاند کے پاس کیا کھلا تارہ
بن گیا سارا آسمان رقب

شجرہ اہل درد کس سے ملے
شہر میں کون رہ گیا ہے نجیب



آنکھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا
تاخیر سے ہی چاند لب بام تو آیا

اس باغ میں اک پھول کھا میرے لئے بھی
خوبیوں کی کہانی میں مرا نام تو آیا

پت جھڑ کا زمانہ تھا تو یہ بخت ہمارا
سیر چمن کو وہ گل فام تو آیا

اڑ جائیگا پھر اپنی ہواں میں تو کیا غم
وہ طاڑ خوش رنگ تھہ دم تو آیا

ہر چند کہ کم عرصہ زیبائی میں نہ سہرا
ہر چہرہ گل باغ کے کچھ کام تو آیا

جب دور تھے ہم نظمِ گلتاں سے تو خوش تھے
تحسین بھی جاتی رہی، انعام تو آیا

واضح تو ہوا ترکِ محبت کا ارادہ
بارے دل آشفۃ کو آرام تو آیا

شب سے بھی گزر جائیں گے گر تیری رضا

دورانِ سفر مرحلہ شام تو آیا



جو صبحِ خواب ہوا ، شب کو پاس کتنا تھا
بچھڑ کے اُس سے مرا دل اُداس کتنا تھا

وہ اور شے تھی قبا جس سے ہو گئی رنگیں
اُسے پتہ ہے کوئی خوش لباس کتنا تھا

خبر نہیں کہ ٹھجھے دیکھنے میں آنکھوں کا !
یقین کتنا رہا ، التباس کتنا تھا

بغیر دیکھے ہی لوٹا دیے جو پھول آئے
کسی کے حق میں یہ دل ناپاس کتنا تھا

وہ جس کو بزم میں مہماںِ عام بھی نہ کہا
کسے بتائیں کہ خلوت میں خاص کتنا تھا



دل کی حالت ہے اضطرابی پھر
کوئی لائے گا یہ خرابی پھر

ایک مدت کے بعد خوابوں کا
پیر، ہن ہو گیا گلابی پھر

لے رہی ہے طویل رات کے بعد
زندگی غسل آفتابی پھر

دھیان کی رحل پہ بصد مفہوم
ایک چہرہ گھلا کتابی پھر

کٹ ہی جائے گی شب کہ آنکھوں میں
ایک صورت ہے ماہتابی پھر

چھورہی ہے ہوازِ مستانی
شجر جاں ہوا شہابی پھر

گر رہے ہیں ترے خیال کے پھول
خوبصورت ہے فرشِ خوابی پھر

شرح آسودگی میں حائل ہے
معنیِ غم کی دیریابی پھر



سفرِ خواب

بہت ہی خوبصورت خواب تھا
 جو کچی عمروں میں
 میں اکثر دیکھتی تھی
 یہ کہ
 پورے چاند کی شب ہے
 زمیں سے آسمان تک
 روشنی کی ایک سیرھی بن گئی ہے
 مرے تن پرستاروں سے بنا مبوس ہے
 اک ہاتھ میں تازہ گلاب
 اور دوسرا میں تیراباز ہے
 میں تیرا ہاتھ تھامے
 زینہ درزینہ قدم رکھتی ہوں
 نامعلوم دنیا کے سفر پر ہوں
 تری سانسوں کی خوبیو
 رات کی رانی کا جادو
 چاندنی کالمس
 آپس میں گھلے جاتے ہیں
 میری روح میں تحلیل ہوتے جا رہے ہیں!
 یہ سپنا جل چکا تھا
 بس اس کی راکھ میری روح میں اکڑا اکرنی
 مگر کل شب
 شبِ مہتاب تھی
 اور آسمان تک ٹور کی سیرھی بنی تھی
 ستاروں سے بھرا آنچل تھا میرا

مرے اک ہاتھ میں ہلکے گلابی پھول تھے
اور دوسرا اک اجنبی کے ہاتھ میں تھا
جس کا ہر انداز تجھ سے مختلف تھا
مگر اُس آنکھ میں جو جگہ گاہٹ تھی
مری دیکھی ہوئی تھی
اور اُس لب پر جو لکش مسکرا ہٹ تھی
مری پھومی ہوئی تھی!



ایک شریر نظم

جشن بہار تھا
بارش فرشِ گل پ مسلسل ناج رہی تھی
ہوا کی لئے تھی بے حد شوخ
پیڑ خوشی سے جھوم رہے تھے
ساری فضا پتوں کی بنی سے گونج رہی تھی!

صحن چمن کے گوشے میں
میں بھی کھڑی تھی تیرے ساتھ
روح کا دامن کھینچ رہی تھی
تیرے پیرا ہن کی آنچ
میرے اور بارش کے لبوں پر
کھیل رہی تھی

ایک ہی بات
تیرے ہونٹ، تری پیشانی، ترے ہاتھ،



وہ باغ میں میرا منتظر تھا

وہ باغ میں میرا منتظر تھا
 اور چاند طلوع ہو رہا تھا
 زلفِ شبِ وصلِ گھل رہی تھی
 خوشبو سانسوں میں گھل رہی تھی
 آئی تھی میں اپنے پی سے ملنے
 جیسے کوئی گل ہوا سے کھلنے
 اک عمر کے بعد میں ہنسی تھی
 خود پر کتنی توجہ دی تھی!
 پہنا گہرا بنتی جوڑا!
 اور عطرِ سہاگ میں بسایا
 آئینے میں خود کو پھر کئی بار
 اُس کی نظروں سے میں نے دیکھا
 صندل سے چمک رہا تھا ما تھا
 چندن سے بدن دمک رہا تھا
 ہونٹوں پر بہت شریں لالی
 گالوں پر گال کھیلتا تھا
 بالوں میں پروئے اتنے موتی
 تاروں کا گمان ہو رہا تھا
 افشاں کی لکیر مانگ میں تھی
 کاجل آنکھوں میں ہنس رہا تھا

کانوں میں مچل رہی تھی بالی
بانہوں سے لپٹ رہا تھا گمرا
اور سارے بدن سے پھوٹا تھا
اس کے لئے گیت جو لکھا تھا!

ہاتھوں میں لئے دیے کی تھالی
اُس کے قدموں میں جا کے بیٹھی
آئی تھی کہ آرتی اتاروں
سارے چیون کو دان کرڈوں!

دیکھا مرے دیوتا نے مجھ کو
بعد اس کے ، ذرا مسکرایا
پھر میرے سنہرے تھال پر ہاتھ
رکھا بھی تو اک دیا اٹھایا!
اور میری تمام زندگی سے
ماں گی بھی ، تو ایک شام ماں گی!



شجر کے ہاتھ میں اک زرد پھول باقی ہے
ابھی لباسِ مسافر پر ڈھول باقی ہے

مرے قبلے میں نکلے سبھی فروختنی
نہ کوئی وعدہ نہ کوئی اصول باقی ہے

درُونِ شہر گلابوں کی باڑ ختم ہوئی
کنارِ شہر پرانی بُول باقی ہے

ہوائے شہرِ ستم کو ابھی پتہ نہ چلے
مرے دوپٹے میں اک سرخ پھول باقی ہے



قصت سے بھی کچھ سوا دیا ہے
بارش نے ہمیں ملا دیا ہے

دیکھی ہے مری اُداسی اُس نے
اور دیکھ کے مُسکرا دیا ہے

آب تو مجھے صبر آگیا تھا
یہ کس نے مجھے رُلا دیا ہے

وہ چاہے تو راستہ بدل لے
میں نے تو دیا جلا دیا ہے

اُس رونقِ بزم نے تو میری
تنهائی کو بھی سجادا دیا ہے

وہ پل کہ سلگ اٹھا ہے ملبوس
اور اس نے دیا بُجھا دیا ہے



زکنے کا سے گزر گیا ہے
جانا ترا اب بھر گیا ہے

رخصت کی گھڑی گھڑی ہے سر پر
دل کوئی دویں کر گیا ہے

ماتم کی فضا ہے شہرِ دل میں
مجھ میں کوئی شخص مر گیا ہے

بُجھنے کو ہے پھر سے چشمِ زگس
پھرِ خوابِ صبا بکھر گیا ہے

بس ایک نگاہ کی تھی اس نے
سارا چہرہ بکھر گیا ہے



بارِ احسان اٹھائے جس تیس کا
دل اسیہ طلب ہوا کس کا

ایک پل میں گزر گئی وہ شام
صحح سے انتظار تھا جس کا

یہ دُعائے شفا ہے یا کچھ اور
اس نے بھیجا ہے پھول زگس کا

ضبط اتنا نہیں اشکوں پر
کچھ خیال آگیا تھا مجلس کا

پھر سے خیمے جلے ہیں اور سر شام
بین ہے اپنے اپنے وارث کا



لوٹنا ہے مجھے گھر جائیگا آخر وہ بھی
میں بھی غربت میں ہوں، ماتینہ مسافر وہ بھی

میں نے بھی پیاس کے صحراء میں بڑے دن کاٹے
جرعہ آب کو ترسا ہوا طاڑ وہ بھی

میرا دُکھ بھی مرے چہرے سے نہیں گھلتا ہے

اور سر بزم ہے فرخندہ بظاہر وہ بھی

اس کی حرمت کا مرے دل کو بھی ہے پاس بہت
چپ رہے گا مری ناموس کی خاطر وہ بھی

کیا عجب ہے کہ یہ دل ہوش سے بیگانہ ہوا
شب کا افسوں بھی جنوں خیز تھا ساحر وہ بھی



کیا بات ہے جس کا غم بہت ہے
کچھ دن سے یہ آنکھ نم بہت ہے

مل لیتا ہے گفتگو کی حد تک
اتنا ہی ترا کرم بہت ہے

گھر آپ ہی جگگا اٹھے گا
دہنیر پ اک قدم بہت ہے

مل جائے اگر تری رفاقت
مجھ کو تو یہی جنم بہت ہے

کیا شب سے ہمیں سوال کرنا
ہونا ترا صح دم بہت ہے

کیوں بُجھنے لگے چراغ میرے
اب کے تو ہوا بھی کم بہت ہے

چُپ کیوں تجھے لگ گئی ہے پروین
سنتے تھے کہ تجھ میں رَم بہت ہے



عجب اک ساعت گلفام آئی
صبا لے کر کسی کا نام آئی

کسی دل میں جزیرے کی نہ تھی چاہ
سمندر پر اک ایسی شام آئی

اداسی مُسکراتی ہے کہ اب کہ
توجہ سے تری خوش کام آئی

دُعا اب چاہے بام عرش پُھولے
ترے در سے تو یہ ناکام آئی

ٹو سوداگر ہے ایسا ہاتھ جس کے
کسی کی زندگی بے دام آئی

یہ ساری زندگی کی بے نیازی
بالآخر حسن کے کیا کام آئی



رستہ ہی نیا ہے، نہ میں انجان بہت ہوں
پھر کوئے ملامت میں ہوں، نادان بہت ہوں

اک عمر جسے خواب کی مانند ہی دیکھا
چھونے کو ملا ہے تو پریشان بہت ہوں

مُجھ میں کوئی آہٹ کی طرح سے کوئی آئے
اک بند گلی کی طرح سنسان بہت ہوں

دیکھا ہے گریہ اُس نگہہ سرد کا اتنا
ماںل بہ توجہ ہے تو حیران بہت ہوں

اُبھیں گے کئی بار ابھی لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں



فیض صاحب کے لئے ایک اور نظم

عجب گھڑی ہے
ابھی تجھے بزرخانہ خاک میں رکھے
اک پھر ہوا ہے
ابھی قبائے سخن سے
تیرے بدن کی گرمی گئی نہیں ہے
فرود گاہِ حیات میں رخصتِ سفر کی
تمام تر گرددم بخود ہے
نشست کی جانہیں ملی ہے
تری لحد کے گلاب دیے ہی تازہ رو ہیں
صباً بھی تیری مسکراہٹ سے مشکوہ ہے!

ابھی رسمِ وداع پوری نہیں ہوئی تھی
کہ جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا ہے، ہم میں
کسی کا کہنا کہ خرقہِ فن
اُسے ترے ہاتھ سے ملا ہے
کوئی بزمِ خود آن کر

مندِ خلافت پر رونق افروز ہو گیا ہے
مجاورِ نِن ادب، ترے مقبرے پر
لوبان و عوْد و عنبر جلاۓ بیٹھے
سخن کا نذرانہ مانگتے ہیں
اک اک غزل کہنے والے نو خیز و بزر و کو دکانِ شہر سخن کو
آکر، بصد عنایت
بقا کی تعویذ بانٹتے ہیں

کہیں ترانام بک رہا ہے
کہیں پہ آواز کا ہے سودا
خن کی آڑھت عروج پر ہے!



نمائش

شہر کے بیچوں نیچ نمائش لگی ہوئی ہے
طرح طرح کے زخموں کے اسال لگے ہیں
کہیں بڑی محنت سے سُرخ رنگائے ہوئے دلکش ملبوس
سینت سینت کے رکھے ہوئے تارِ داماں
پھٹے ہوئے آنچل
اور مسکی اوڑھنیاں
نم آلوڈ، شکن بستہ، میلی چادر
لوح پشت پہ نیلم کی نقاشی والے جسم
جس سے بے جا میں رکھے جانے والے کچھ خواب
گروہی رہنے والی آنکھیں
عمر قید پانے والی آشائیں
جلادطن امیدیں!

اس انبوہ رنگ میں
کچھ ایسے بھی لوگ کھڑے ہیں
جن کے دل اور لان کے پھول
کبھی نہیں مر جھائے

جن کی نرمی پیرا ہن کو
 بادِ صباتک چھونے سے گھبراتی ہے
 جن کے بدن پراک ہلکا سازخم لگے تو
 لالہ رخانِ شہر کی پلکیں
 بہر رو آ جاتی ہیں
 جن کی خواب گھوں کا ریشم
 سپنے بُخار ہتا ہے
 نیلم اور یاقوت یہاں پر اپنی جگہ پر ہوتے ہیں
 خواب انہیں خود دیکھتے ہیں
 عمر قید،
 جس سے بے جا
 اور کالا پانی
 جیسے لفظ
 انگے کے لئے نامحرم ہیں!
 جن کے گھروں میں
 فصل کے میوے
 رُت کے پھول
 اور تہوار کی شیرینی
 حاکم وقت کے تو شہر خاص سے بھجوائے جاتے ہیں
 مخبر خاص کی خلعت پا کر
 معتبرین شاہ میں شامل ہو کر
 جو ہر صبح نکلتے تھے
 زیرِ فلک نافرمانی کی سُن گُن لینے
 زیرِ زمیں میں سچائی کی سرکوبی کرنے
 اور ہر شام کو کافی ہاؤس میں

حاکم ناجائز کے خلاف
 نیا تبر ا لکھنے اور مکر ر کہنے والے سادہ دلوں کے گھر کا پتہ
 کارکنانِ سادہ قبائل کے پہنچانے
 چیزوں کی ترتیب اچانک بدل گئی ہے
 سرچشمہ دکھ ہے یا گلیسرین
 آنسو یکساں چمک رہے ہیں!
 ساری آنکھیں صفائی ہیں
 دروازے پر لگی ہوئی ہیں
 بانوئے شہر قدم رنجہ ہوں
 فیتے کا ٹیس!



سندھ کی ایک بیٹی کا اپنے رسولؐ سے ایک سوال
 اے دین کے آخری پیغمبر
 تعالیٰ طف خُدا کا خاص صحابہ پر
 بھیجا تھا تجھے بنا کے رحمت
 ساری دُنیا کے بے کسوں پر
 ہوتی رہی تجھ پر سنگ باری
 ہونٹوں سے رہیں دعا میں جاری
 ہر سود کو کردیا تھا باطل
 ہر خون معاف کردیا تھا
 تلواریں نیام میں دکھادیں
 چادر میں اٹھا کے سنگ اسود

خوددار مسافرت کے تغیر

عقبہ کی وہ باوقار بیعت

گھر چھوڑا کچھ اس طرح سے ٹونے

ہجرت کو مثال کر دیا تھا

انصار و مہاجرین کیا تھے

ایشارہ و فنا کی انتہا تھے

و سعیت سے دلوں کی بھر دیا تھا

ٹونے انہیں ایک کر دیا تھا!

ہم بھی ترے ہی امتی ہیں

اس لشکرِ اولیس کی صورت

ٹھجھ سے ہی تو سلسلہ ہے اپنا

پھر کیا ہے کہ ہم میں اور ان میں

ہلکی سی مشابہت نہیں ہے

اب گھر ہے نہ کوئی دل کشادہ

گلتا ہے کہ ہر درخت اپنے

سایے کے خلاف ہو گیا ہے

بھائی، بھائی کو کھارہا ہے

خاکم بدہن پہ تیرے ہوتے

کیا ہم پہ کسی کی بدُعا ہے

بسی یہ ہماری جس میں اب بھی

خوشبو ترے نام کی بسی ہے

باز رو دیں کیوں نہارہی ہے

شعلے اسے کیوں نگل رہے ہیں

جو شہر کہ اپنی شخصیت میں

شبِم تھا، گلاب تھا، صبا تھا
اب آگ ہے، خون ہے، دھواں ہے
یہ شہر ہے، سانحہ ہے، کیا ہے
گوفد ہے کہ کربلا ہے، کیا ہے



دشتِ غربت میں ہیں اور رنجِ سفر کھینچتے ہیں
بارہستی ہے جسے خاک ہے سر کھینچتے ہیں

جن چراغوں کو میر نہیں اس کی محفل
انتصار اُس کا سر را گذر کھینچتے ہیں

زندگی پھر تجھے پیش ہے زندانِ دمشق
اشقیا پھر ترے کانوں سے گھر کھینچتے ہیں

روشِ گلن پہ، یہ کس وضع کے صیاد ہیں جو
باندھ کر طاڑِ خوں بستے کے پر کھینچتے ہیں

شہر سے جب بھی وہ جائے تو دعاوں کا حصار
دیدہ نم مرے تاحد نظر کھینچتے ہیں

جانتے ہیں کہ شکستہ ہے طنابِ امید
خیمه جاں ترے کوچے میں مگر کھینچتے ہیں

تیری خوش نامی کا آتا ہے بہت دل کو خیال
گریہ کرتے ہوئے آواز اگر کھینچتے ہیں

لگ گئی تھی تری کچھ پچھلے پھر آنکھ اے دل
آج سے ہم ترے نالے سے اثر کھینچتے ہیں

دل کو کچھ تیری توجہ کا بھی طالب پایا
تیری توصیف سے ادب دستِ ہنر کھینچتے ہیں



کراچی ۸۹ء کی آخری شام

عکس گل تر جلا ہوا تھا

خوابوں کا نگر جلا ہوا تھا

یادستِ دعا نہ اٹھ سکا تھا

یا اُس کا اثر جلا ہوا تھا

ہر گھر تھا لٹا ہوا کئی بار

اور بارگرد جلا ہوا تھا

یا نوچ لئے گئے تھے پتے

یا سارا شجر جلا ہوا تھا

آنکھوں کی جگہ پہ آبلے تھے

اور تارِ نظر جلا ہوا تھا

ملبہ تھا تمام، شہرِ خوبی

اور ہو کے کھنڈ ر جلا ہوا تھا

تبہہ خانہ جاں میں تجھ کو رکھتی

لیکن مرا گھر جلا ہوا تھا

کچھ دیر کا سوختہ نہ تھا شہر

یہ آٹھ پھر جلا ہوا تھا

پرواز کا اتنا ذوق نفس میں

ٹوٹا ہوا پر جلا ہوا تھا

منزل تھی غبارِ راہ میں گم

اور رخت سفر جلا ہوا تھا



جب ہو کے صبا کوچہ تعزیر سے آئی
آواز عجب حلقة زنجیر سے آئی

خوببوکا دریچہ بھی گھلارنگ کے ہمراہ
اک یاد بھی لپٹی ہوئی تصویر سے آئی

گل لے گئے عطار، ہمر کھا گئے طائر
سورج کی کرن باغ میں تاخیر سے آئی

پہلے بھی کشش جلوہ دنیا میں تھی لیکن
اس بارتے حسن کی تاثیر سے آئی

سادہ تھا بہت خوب ترا چشمِ تمنا
مشکل میں نظر کثرت تعبیر سے آئی

یوں سارے چراغ اور گلاب اپنی جگہ میں
رستے میں چمک سایہ رہیں سے آئی



شہر جمال کے خس و خاشک ہو گئے
اب آئے ہو جب آگ سے ہم خاک ہو گئے

ہم سے فروعِ خاک نہ زیبائی آب کی
کائی کی طرح تھمت پوشاک ہو گئے

پیراہنِ صبا تو کسی طور سل گیا
دامانِ صد بہار مگر چاک ہو گئے

اے ابرِ خاص! ہم پہ برستے کا اب خیال
جل کر ترے فراق میں جب راکھ ہو گئے

قائم تھے اپنے عہد پہ یہ دیدہ ہائے غم
کیا یاد آگیا ہے کہ نمناک ہو گئے

اب تک جنوں ہی اپنا اٹاٹا رہا مگر
ثُجھ سے ملے تو صاحبِ ادراک ہو گئے

خوشبو تو بن نہ پائے سو کچھ ہم سے بے ہنر
اے موجہِ صبا ترے پیچاک ہو گئے



تلری نظمیں

نداشت

میری تمام نظموں کا انتساب اب تک صرف میرے اپنے نام رہا
 اور میں خود کو محبت کی شاعرہ سمجھ کر
 خوش ہوتی رہی
 میں نے کوڑے کے ڈھیر پر بلی کی طرح چلتا ہوا بچہ نہیں دیکھا
 میں نے اینٹ کا تکیہ بنایا کہ سوتا ہوا راج نہیں دیکھا
 راج سے میرے ذہن میں
 ہمیں راج ہنس آئے
 اور بچوں سے تازہ گلاب
 میں کیک کو روٹی کا تبادل سمجھتی رہی
 میرے بچے
 میرے راج
 ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا!



بیشترے کی گھروالی

ہے رے تیری کیا اوقات!
 دودھ پلانے والے جانوروں میں
 آے سب سے کم اوقات
 پُرش کی پسلی سے تو تیرا جنم ہوا
 اور ہمیشہ پیروں میں تو پہنی گئی
 جب ماں جایا سچلوواری میں تسلی ہوتا
 تیرے پھول سے ہاتھوں میں
 تیرے قد سے بڑی جھاڑ و ہوتی
 ماں کا آنچل پکڑے پکڑے
 تجھ کو کتنے کام آ جاتے
 اُپلے تھاپنا
 لکڑی کا شنا
 گائے کی سانی بنانا
 پھر بھی مکھن کی نکیہ
 ماں نے ہمیشہ بھتیا کی روٹی پر رکھی
 تیرے لئے بس رات کی روٹی
 رات کا سالن
 روکھی سوکھی کھاتے
 موٹا جھونٹا پہنتے

تجھ پہ جوانی آئی تو
 تیرے باپ کی نفرت تجھ سے اور بڑھی
 تیرے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر
 ایسی کڑی نظر رکھی
 جیسے ذرا سی چوک ہوئی
 اور ٹوبھاگ گئی
 سولھواں لگتے ہی
 ایک مرد نے اپنے مکان کا بوجھ
 دوسرے مرد کے تن پا اتار دیا
 بس گھر اور مالک بدلا
 تیری چاکری وہی رہی
 بلکہ کچھ اور زیادہ
 اب تیرے ذمے شامل تھا
 روٹی کھلانے والے کو
 رات گئے خوش بھی کرنا
 اور ہر ساون گا بھن ہونا
 پورے دنوں سے گھر کا کام سنبھالتی
 پتی کا ساتھ
 بس بستر تک
 آگے تیرا کام!
 کیسی نوکری ہے
 جس میں کوئی دیہاڑی نہیں
 جس میں کوئی چھٹی نہیں
 جس میں الگ ہو جانے کی سرے سے کوئی ریت نہیں
 ڈھوروں ڈنگروں کو بھی

جیٹھا ساڑھ کی دھوپ میں
پیڑ تلنے ستانے کی آزادی ہوتی ہے
تیرے بھاگ میں ایسا کوئی سے نہیں
تیری جیون پگڈنڈی پر کوئی پیڑ نہیں ہے
ہے رے!
کن کرموں کا چھل ہے تو
تن بیچے تو کسی ٹھہرے
من کا سودا کرے اور پتھنی کھلائے
سمے کے ہاتھوں ہوتا رہے گا
کب تک یہ اپمان
ایک نوالہ روٹی
ایک کٹورے پانی کی خاطر
دیتی رہے گی کب تک تو بلیداں!



ایک U.D.C کی ڈائری

میرا بچپن اپنے آپ کو لوریاں دیتے گزرا
اور جوانی

نیندوں کو خوابوں کی رشوت دیتے ہوئے

وقت ہمیشہ مجھے گالیاں دیتا رہا
اور زمانے نے بھی خوب ٹھہڑے لگائے

یہاں تک کہ رلتے رلاتے
میں ایک بدبو دار کمرے میں آن پہنچا

جہاں میرے چاروں طرف
قبل مسح فائمیں تھیں
اور حنوط کئے ہوئے ، میرے ہی جیسے کچھ کلرک
اور ایک آدھا پنے وجود سے شرمندہ چپراں
ہم سارا وقت ان فائموں میں اپنی ناکیس دیے بیٹھے رہتے
اور افسروں کے موڈ کے مطابق
ان پر فلیگ لگاتے
خود ہم پر تو بھی لپی - یو۔ سی۔ لے کی چٹ بھی نہیں گئی
شاید ہم وہ فائمیں ہیں
جنہیں خدامارک کرنا بھول گیا
چنانچہ ہم ساری زندگی
ایک ہی میز پر دھرے رہے
اور ہم پر بے تو جبی کی گرد جمتی رہی !

میں نے ایک بار
اس میز سے کھسکنے کی کوشش کی تھی
اور پچکے سے
اور فائموں کے ساتھ تھی ہو کر
اوپر چلا گیا
اتنی سی بات پر
میرے افسر کے افسرنے
اس کی ماں بہن ایک کر دی تھی
اور اس نے منطقی طور پر ہماری
اُس دن کے بعد سے
میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولا

(اور نہ میرا چھوٹا افسر)

آب میں گدھے کی سی دلجمی سے نوٹ لکھتا ہوں
 اور اس عبارت کے دوران
 کبھی کبھی ٹوٹی ہوئی پیالی میں چائے پی لیتا ہوں
 اور کبھی ادھار سگریٹ کا ایک کش لگایتا ہوں

(جو میری واحد عیاشی ہے)

شام ڈھلے
 اکڑی ہوئی ٹانگوں اور تنخہ ہوتی کمر کو گھستنے
 بس اسٹاپ کی طرف نکل پڑتا ہوں
 اور دم گھونٹنے والی بسوں کے اندر رُخنسے ہوئے ریوڑ کا

حصہ بن جاتا ہوں
 شام گئے گھر پہنچتا ہوں
 جہاں میری بھنکتی ہوئی بیوی میری منتظر ہے
 جو میساوؤں کی طرح

پہلے میری جیب میں ہاتھ ڈالتی ہے
 پھر بچوں کو گلی سے باہر ڈھکیلتی ہے
 رات گئے

۲۲ روپے والے ڈالر کے زمانے میں
 میں اپنے ۵ روپے سالانہ اضافے کو
 سوچ سوچ کر خوش ہوتا ہوں

اور انگلیوں پر
 پراویڈ یونٹ فنڈ کا حساب کرتا ہوں
 اور آنے والے بڑھاپے کو لوری دینے لگتا ہوں!



ٹھاؤ کچپ

ہمارے ہاں
شعر کہنے والی عورت کا شمار عجائب میں ہوتا ہے
ہر مرد خود کو اس کا مناسب سمجھتا ہے
اور چونکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا
اس لئے اس کا دشمن ہو جاتا ہے!

سارانے ان معنوں میں
دشمن کم بنائے
اس لئے کہ وہ وضاحتیں دینے میں
یقین نہیں رکھتی تھی
وہ ادیب کی جور و بننے سے قبل ہی
سب کی بھا بھی بن چکی تھی
ایک سے ایک گئے گزرے لکھنے والے کا دعویٰ تھا
کہ وہ اس کے ساتھ سوچکی ہے
صحح سے شام تک
شہر بھر کے بے روزگار ادیب
اس پر بھنجھنا تے رہتے
جو کام کاج سے لگے ہوئے تھے
وہ بھی سڑی بُسی فائلوں اور بوسیدہ بیویوں سے اوپ کر
ادھر ہی آتے
(بچلی کے بل، بچے کی فیس اور بیوی کی دوسرے بے نیاز ہو کر
اس لئے کہ یہ مسائل

چھوٹے لوگوں کے سوچنے کے ہیں)

سارا دن

ساری شام

اور رات کے کچھ حصے تک

ادب اور فلسفے پر دھواں دھار گفتگو ہوتی

بُھوک لگتی تو

چندہ و ندہ کر کے

نکڑ کے ہوٹل سے روٹی چھوٹے آجاتے

عظیم دانشور

اس سے چائے کی فرمائش کرتے ہوئے کہتے

تم پاکستان کی امرتا پریتم ہو

بے وقوف لڑکی

چ سمجھ لیتی

شاید اس لئے بھی

کہ اس کے نان و نفقہ کے ذمہ دار تو اسے ہمیشہ

کافکا کی کافی پلاتے

اور نرودا کے سکٹ کھلاتے رہتے

اس رال میں لمحے ہوئے COMPLIMENT کے بہانے

اُسے روٹی تو ملتی رہی

لیکن کب تک

ایک نہ ایک دن تو اسے بھیڑیوں کے چنگل سے نکنا ہی تھا

سارا نے جنگل ہی چھوڑ دیا!

جب تک وہ زندہ رہی

ادب کے رسیا اسے بھنجھوڑتے رہے

اُن کی محفلوں میں اُس کا نام

اب بھی لذیذ سمجھا جاتا ہے
بس یہ کہ اب وہ اس پر دانت نہیں گاڑ سکتے
مرنے کے بعد انہوں نے اسے
ٹھانٹو کچپ کا درجہ دے دیا ہے!



اسٹیل ملز کا ایک خصوصی مزدور کالا بھوت

جیسے کوئلے کے نطفے سے جنم لیا ہو
ایک جہنمی درجہ حرارت پر رہتے ہوئے
اس کا کام
دہکتی بھٹی میں کوئلے جھونکتے رہنا تھا
اس کے بد لے
اس کو اجرت بھی زیادہ ملتی تھی
اور خوراک بھی خصوصی
اور ایک وقت میں چار گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لیا جاتا تھا
لیکن شاید اس کو یہ نہیں معلوم
کہ خود کشی کے اس معاملے پر
اس نے
بقائی ہوش و حواس دستخط کئے ہیں
اس بھٹی کا ایندھن دراصل وہ خود ہے!



سمجھداری کی ایک نظم

با۔ سو بہت رویا

اور مصروف ہا کہ اُس کی زوجہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے
نوجوانوں نے ایک دوسرے کو
آنکھوں ہی آنکھوں میں کہنیاں ماریں
بوڑھوں نے اُسے خلل دماغ کہا
اور مولوی نے بدعت

با۔ سو بڑی مشکل سے گھر لایا گیا!

وہ روز دفتر سے سید حامیوہ شاہ چلا جاتا
پھولوں اور اگربیوں کی ساتھ
اس کا کافی عرصے یہی معمول رہا
پھر جمعرات کے جمعرات
پھر ہر نو چندی کو
پھر عید، بقر عید اور شب برات
آخر میں برسی کے برسی
ایک دن چلچلاتی دھوپ میں
بس نمبر ۶۰ سے اترتے ہوئے
اس کی نظر ایک پیڑ پر پڑی
تو اُسے دفتر میں رکھی گئی
نئی ٹانپست کا خیال آگیا
اس دن اُسے احساس ہوا
کہ دُنیا ایک آدمی پر مشتمل نہیں ہے
با۔ سو بہت ہنسا



ایک مشکل سوال

ٹاث کے پردوں کے پیچھے سے

ایک بارہ تیرہ سالہ چہرہ جھانکا

وہ چہرہ

بہار کے پہلے پھول کی طرح تازہ تھا

اور آنکھیں

پہلی محبت کی طرح شفاف!

لیکن اُس کے ہاتھ میں

ترکاری کا نئے رہنے کی لکیریں تھیں

اور ان لکیروں میں

برتن مانجھنے والی را کھجی تھی

اس کے ہاتھ

اس کے چہرے سے میں سال بڑے تھے!



یاسِ عرفات کیلئے ایک نظم

آسمان کا وہ حصہ

جسے ہم اپنے گھر کی کھڑکی سے دیکھتے ہیں

کتنا لکش ہوتا ہے
 زندگی پر یہ کھڑکی بھرتصرف
 اپنے اندر کیسی ولایت رکھتا ہے
 اس کا اندازہ
 تجھ سے بڑھ کر کے ہوگا
 جس کے سر پر ساری زندگی چھٹ نہیں پڑی
 جس نے بارش سد اپنے ہاتھوں پر روکی
 اور دھوپ میں کبھی دیوار ادھار نہیں مانگی
 اور برفوں میں
 بس اک الاؤ روشن رکھا
 اپنے دل کا
 اور کیسا دل
 جس نے ایک بار کسی سے محبت کی
 اور پھر کسی اور جانب بھولے سے نہیں دیکھا
 مٹی سے اک عہد کیا
 اور آتش و آب و باد کا چہرہ بھول گیا
 ایک اکیلے خواب کی خاطر
 ساری عمر کی نیندیں گردی رکھ دیں ہیں
 دھرتی سے اک وعدہ کیا
 اور ہستی بھول گیا
 ارضِ وطن کی کھونج میں ایسے نکلا
 دل کی بستی بھول گیا
 اور اس بھول پر
 سارے خزانوں جیسے حافظے داری
 ایسی بے گھری، اس بے چاری کے آگے

سارے جگ کی ملکیت بھی تھوڑی ہے
آسمان کی نیلا ہٹ بھی میلی ہے!



دوستِ ملک کیلئے ایک نظم

محبت بیان نہیں، روایہ ہے
اس بات کا اندازہ
ہمیں اس وقت ہوا
جب ہم نے
بہار کی سبز روشنی میں نہائے ہوئے بیجنگ پر قدم رکھا
رفاقت کی سُوجہ بُجھ رکھنے والی خوبصورتی منتظر تھی

ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے
لیکن ہمارے ہاتھوں کی حرارت
اس ناقصیت کی تلافی کر رہی تھی
ہمارے ہونٹ خاموش تھے
لیکن ہماری آنکھیں مکالمہ کر رہی تھیں
ہمارے درمیان وہ خاموشی تھی
جو بہت پُرانے دوستوں کے بیچ ہوتی ہے!
عظمیں ملک کے عظیم لوگ
جنہوں نے ایک روشن اور خوشنگوار دن کیلئے
ایک طویل رتیجے کی ذمہ داری قبول کی
جنہیں ہماری شناخت، اپنی پہچان کی طرح عزیز ہے
جنہیں ہماری بے سروسامانی کی خبر

سب سے پہلے ہو جاتی ہے
 جو ہمارے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے
 ہماری کلاہ سے کبھی نہیں کھیلتے
 وہ لوگ کہ جن کے پاس رہتے ہوئے
 ہمارے پاس کوئی ترجمان نہ بھی ہوتا
 تو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا
 وہاں تو دلوں اور گھروں پر ایک دستک کافی ہے
 پاکستان!

میں وہ بچی کس طرح بھول سکتی ہوں
 جس کی آنکھیں مخملیں تھیں اور
 اور جس کے چمکدار بالوں میں سُرخِ ربِن بندھا تھا
 اور جو محض لباس سے ہمیں پہچان کر
 ہم سے لپٹ گئی تھی!

راکا پوشی کے ادھر جانے والی ہوا
 اگر تجھے کوئی مخملیں آنکھوں
 اور سُرخِ ربِن والی بچی ملے
 تو اس سے کہنا
 ننھی پری
 تمہارا ایک گھر
 ہمالہ کے اس طرف بھی ہے!



SAN FRANCISCO

جد نظر تک
 زمین کارنگ سبز ہے
 اور ڈھلانوں پر
 سورخ رنگ کے گھر کھلے ہوئے ہیں
 اپنے مکینوں کی طرح
 کشادہ دل
 دو قدم چلیں
 اور کوئی نہ کوئی شفاف چشمہ
 ایک شریر بچے کی طرح
 آپ پر پانی اچھال دے
 ذرا آگے بڑھیے
 اور ایک ہلکوںے لیتی جھیل
 آپ کو اپنی مُسکراہٹ کے ہالے میں سمیٹ لے
 سارا شہر ہی باغ لگتا ہے
 شام تک
 تتلیاں آپ کے ہمراہ ہوتی ہیں
 اور رات کو جگنو ہنتے ہوئے آجاتے ہیں
 زمین پر پاؤں رکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے
 کہیں کسی پھول پر نہ آجائے!

اے خدا
 اس شہر کو ہمیشہ آبادر کھنا
 یہ تیرے بندوں کو
 تجھ سے قریب لا تا ہے!



ایک افسر اعلیٰ کا مشورہ

میرے ایک افسر اعلیٰ نے
ایک دن مجھے اپنی بارگاہِ خاص میں طلب کیا
اور ایک دو فائلوں کا حال پوچھنے کے بعد
میری غیر سرکاری مصروفیات پر چیس بے جیس ہوئے
معاشرے میں شاعر کی اوقات پر روشنی ڈالی
خلاصہ گفتگو یہ کہ
ملک میں شاعر کی حیثیت وہی ہے
جو جسم میں اپنڈ کس کی
بے فائدہ ۔ ۔ ۔ مگر کبھی کبھی سخت تکلیف کا باعث
سواس کا ایک ہی حل ہے ۔ ۔ ۔ سرج روی!
چشمِ تصور سے میری شخصیت کے اپنڈ کس سے نجات پا کر
کچھ شلغفتہ ہوئے
پھر گویا
ایک آئندہ میل افراد ہے
جس کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا
پہلے اُس کے ہونٹ غائب ہوتے ہیں
پھر آنکھیں
اس کے بعد کان
آخر میں سر
ہونٹوں، آنکھوں، کانوں اور سر سے نجات پائے بغیر
کوئی افسر، فیڈرل سیکریٹری نہیں بن سکتا!

اپنی بات پر زور دینے کیلئے
انہوں نے دو ایک مشہور سر کٹے افسروں کا حوالہ دیا
لیکن میرے چہرے پر
شاید انہوں نے پڑھ لیا تھا
کہ یہ بے وقوف اولک شاعرہ رہنے ہی میں خوش ہے
سو بد مزہ ہو کر
انہوں نے مجھے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمادی
اور میں بے وقوف
ایک نئی نظم کو سوچتی ہوئی اپنے دفتر لوٹ آئی
اپنی A.R.C میں
سرخ روشنائی کے ایک ممکن اندر اراج کے باوجود!



ایک سو شل ور کر خاتون کا مسئلہ
میں نے اپنے لان میں احتیاط سے پانی دیتے ہوئے
کنٹونمنٹ بورڈ کو کافی برا بھلا کہا
بھلا یہ بھی کوئی کارگردگی ہے
جس میں پھواوں کو پانی میسر نہ آسکے
میرے سارے امپورٹڈ پودے مرجھائے جاتے ہیں!
میں نے دل ہی دل میں
ایک چلتے ہوئے اخبار کے مدیر کے نام
ایک مراسلہ بھی ڈرافٹ کر دیا
ابھی میں طنز کی دھاڑ، غصے کی سان پر رکھ رہی تھی

کہ مجھے باہر ایک بچہ نظر آیا
جس کے دونوں کانوں پر
ایک ڈنڈا رکھا تھا
اور ڈنڈے سے دو کنسترنے بندھے ہوئے تھے
اور حسرت بھری نظروں سے پائپ کی طرف دیکھا
میرا دل کٹ گیا
مگر
میں نے اس سے کہا
بیٹھے
اگر میں ان کنستروں میں پانی بھر دوں
تو ان کا وزن تمہارے وزن سے بڑھ جائے گا
تم ایک قدم نہیں چل سکو گے
اور گھر نہیں جا سکو گے
اور اچھے بچے دیری تک گھر سے باہر نہیں رہتے
بچے کی آنکھیں اچانک پچاس سال کی ہو گئیں
اُن میں ایک جھر یوں بھرا زہر خندابھر ا
پھر وہ خاموشی سے
باہر چلا گیا!

میں نے اپنے ڈرافٹ کی عبارت میں
ایک سطر کا اور اضافہ کر دیا!



کراچی

کراچی
 ایک ایسی بیساہے
 جس کیسا تھے
 پہاڑوں، میدانوں اور صحراؤں سے آنے والا
 ہر سائز کے ہٹے کا آدمی
 رات گزارتا ہے
 اور صبح اٹھتے ہی
 اُس کے داہنے رخسار پر
 ایک تھپٹر سید کرتا ہے
 اور دوسرا گال کی توقع کرتے ہوئے
 کام پر نکل جاتا ہے
 اگلی رات کے نشے میں سرشار!



کلفشن کے پل پر

کلفشن کے پل پر
 جس سے شہر کی الیٹ گزرتی ہے
 اور سو گز کی حد میں
 ٹریفک پولیس کے چاق و چوبند جوان
 ہمہ وقت ڈیپٹی دیتے ہیں
 چھ سات سادہ لباس والے بھی ہوں گے
 ار گرد کوئی غیر متعلق پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا!

میں نے اُسے دیکھا!
 گہرے نارنجی سوٹ میں ملبوس
 جس پر بنا ہوا تلے کا کام
 مناسب مقامات سے مسکا ہوا تھا!
 اس کی لپ اسٹک اتنی گہری تھی
 کہ نظریں لتھڑ گئیں تھیں
 وسطِ میں کی ڈھوپ میں، بہتا ہوا فاؤنڈیشن
 یہ کہہ رہا تھا
 کہ عمارت بھی کبھی حسین نہیں تھی
 سستی سی نیل پالش میں ڈوبی ہوئی انگلیوں میں
 ایک سگرٹ پھسا تھا
 جسے وہ دھواں دار پی رہی تھی
 اس کی تمام حرکات و سکنات
 دفعہ ۲۹۳ کے تحت قابلِ دست اندازی پولیس تھیں
 ٹریفک سگنل پر ڈر کے ہوئے میں نے سوچا
 منشوکی اس ہیر و مین کا، یہ سپاہی
 ابھی دھڑن تختہ کر دے گا
 وہ اس کی طرف بڑھا
 لیکن اس سے قبل
 کہ وہ اپنی نوٹ بک نکالتا
 گہرے نیلے نمبر پلیٹ کی ایک کار
 اُس کے پاس رُکی
 اور وہ اپنی دفعہ ۲۹۳ کے اشاروں سمیت
 کار میں غائب ہو گئی
 سفید کپڑوں والے سپاہی کی دونوں ایڑیاں

جڑی کی جڑی رہ گئیں!



.....
کتنے برس لگے
کتنے برس لگے
یہ جانے میں
کہ میرے اندر تیرا ہونا کیا ہے
ایسا ہونا بھی چاہیے تھا
شام ہوتے ہی
چاند میں روشنی نہیں آ جاتی
رات ہوتے ہی
رات کی رانی مہک نہیں اٹھتی
شام اور روشنی کے نیچے
رات اور خوبصورت کے نیچے
ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے
جس کا ہماری زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا
اس آسمانی لمحے نے
اب ہمیں پھولیا ہے!



چاند کی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں
 شروع راتوں کا چاند تھا
 پھر بھی
 سارا باغ روشنی سے بھرا ہوا تھا
 جیسے ہمارے دل
 محبت سے!



(۲)

چاند کی آخری تاریخیں تھیں
 کنچ چمن کی خوبصورتی تاریکی میں
 اُس نے دیے کی لوکاونچا کیا
 اور میری آنکھوں میں جھانکا
 پھر ہمیں کسی دیے کی ضرورت نہیں رہی!



I'LL MISS YOU

جانے سے پہلے
 اُس نے میرے آنچل سے ایک فقرہ باندھ دیا
 I'LL MISS YOU
 سارا سفر
 خوبصورتی میں بسارہا!



مشورہ

ہماری محبت کی کلینیکل موت واقع ہو چکی ہے!
 معذرتوں اور عذرخواہیوں کا مصنوعی تنفس
 اسے کب تک زندہ رکھے گا
 بہتر یہی ہے
 کہ ہم منافقت کا پلگ نکال دیں
 اور ایک خوبصورت جذبے کو باوقار موت مرنے دیں!



اُسے اس بات کا پتہ نہیں

اُس نے کہا
 ہم جب بھی سفر پر نکلتے ہیں
 بارش ہمارے ساتھ ہو لیتی ہے
 ایک تیرے شخص کی طرح
 اُس کے لجھے میں چھپی بلکل سی خفگی پر
 میں مسکراتے بنانہ رہ سکی
 مجھے احساس ہے
 کہ کبھی کبھی
 اُس کے کسی سوال کا جواب

میں بارش کو دے دیتی ہوں
مگر اسے اس بات کا پتہ نہیں
کہ جس جس بھری دنیا میں ہم رہتے ہیں
وہاں
بارش ہی ہماری دوست ہو سکتی ہے!



مجھے جان لینا چاہیے تھا
وہ مجھے اس وقت ملا
جب پہاڑوں پر برف پکھل رہی تھی
چیری کے درختوں پر اؤلين شگونے پھوٹ رہے تھے
نوخیز خوبیوں سے سارا باغ روشن تھا
بلبل نے بس ابھی چہکنا شروع کیا تھا
اپنے بازوؤں میں لئے
وہ مجھے پھولوں بھری وادی میں
گھومتا رہا
ہم تسلیاں اور جگنو پکڑتے رہے
بارش ایک پیاری دوست کی طرح
ہمارا ہاتھ بٹاتی رہی

جس دن درخت سے پہلا پتہ گرا
میں اُسے اٹھانے کے لئے جھکی
پلٹ کر دیکھا
تو وہ جا چکا تھا!

اب میں ٹوٹے ہوئے پتوں میں
اپنے آنسو جمع کر رہی ہوں
مجھے جان لینا چاہیے تھا
کہ اس کا اور میرا ساتھ
موسم بھارتک ہے!



ملبے پر لکھی گئی ایک نظم
دیکھ ہماری نیو میں اُتر چکی تھی
سو میں نے اُسے بُل ڈوز رچلانے کا اختیار دے دیا!
آج میں اپنے ملبے پر بیٹھی
سوچ رہی ہوں
شکنی ہوئی چھت
اور گرتی ہوئی دیواروں نے
کتنے بھیڑیوں کو
مجھ سے ڈور کھا تھا!



پروین قادر آغا

جب میرے سر سے چادر اتری
تو میرے گھر کی چھت میرے لئے ابھی ہو گئی

”تم ہمارے لئے مرچکی ہو“
 اہل خانہ کی خاموشی نے اعلان کیا
 اور میں بائبل کے دروازے سے
 دستک دیے بنا
 لوٹ آئی
 میں نے

(بڑے مان سے)

اپنے پر بھی کی طرف دیکھا
 مگر اس کی آنکھوں میں برف جم چکی تھی
 (جیسے میرے لئے ان جھیلوں میں کنوں کبھی کھلے ہی نہ تھے)
 اب میں گھلے آسمان تلے کھڑی تھی
 اپنے لال کو سینے سے لگائے
 یا اللہ! میں کہاں جاؤں

سر پہ پہاڑی رات
 چاروں طرف بھیڑیے
 اور عورت کی بُسو گھنٹے ہوئے شکاری کئے
 ”ہمیں گھاس نہ ڈالنے کا نتیجہ، کہتی آنکھیں
 ”ہمیں موقعہ دو“ کہنے والے اشارے
 اور چیڑے اڑانے والے قہقہے
 اور مار دینے والی بُنسی
 ٹھٹھے کرتی ہوا
 اور فقرے کستی بارش
 ہر طرف سے سنگباری!

مجھ میں اور پاگل پن میں

بس ایک رات کافا صدرہ گیا تھا

خود کشی بھی میری تاک میں پیٹھی تھی

قریب تھا کہ

میں اُس کے ہاتھ آ جاتی

کہ ایک سایہ میری طرف بڑھا

اور میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا

”ہمیں کسی کی پرواہ نہیں

تم جیسی بھی ہو، ہمیں عزیز ہو!“

اُس دن

میں اتنا روئی

کہ دنیا اگر ایک خالی تال ہوتی

تو میرے آنسوؤں سے بھر جاتی

میرا لامت بھرا وجود

اُس دن سے آج تک

اُس مہربان سایے کی پناہ میں ہے

خدا

کبھی کبھی

اپنے فرشتوں کو

زمین پر بھی بھیج دیتا ہے!



ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس ہیں

ہم سب ایک طرح سے

ڈاکٹر فاسٹس ہیں

کوئی اپنے شوق کی خاطر
اور کوئی کسی مجبوری سے بلیک میل ہو کر
اپنی روح کا سودا کر لیتا ہے
کوئی صرف آنکھیں رہن رکھوا کر
خوابوں کی تجارت شروع کر دیتا ہے
کسی کوساراڑ ہن ہی گروی رکھوانا پڑتا ہے
بس دیکھنا یہ ہے
کہ سکھ رانچِ الوقت کیا ہے
سو زندگی کی WALL STREET کا ایک جائزہ
یہ کہتا ہے
کہ آجکل قوتِ خرید رکھنے والوں میں
عزتِ نفس بہت مقبول ہے!



پھر وہی فرمان

کلچر کی باگِ دوڑ
پارٹی ACTIVITIES نے سنبھال لی ہے
اب راگوں کی پُولیں
ترکھان بٹھائیں گے
اور شاعری
کمہاروں کے آؤے میں پکا کرے گی
مصوری کو لوہار کی دھونکنی کی ضرورت ہے
”بہت ہو گئی رجعت پسندی“

رابطے کا ہر وسیلہ اب ہمارا ہے

خفیہ یا قومی“

”بیان ادھوار اڑھا گیا.....“

”تورہ تار ہے“

”مغزیہ ابھی استھائی پر تھی.....“

”کوئی بات نہیں

انتڑہ ہم خود اٹھایں گے“

”لیکن ہخوا را یک نظر رومانیہ اور چیکو سلوواکیہ اور مشرقی جرمنی پر توڑا لیں

خود قبلہ گاہی گور بآچوف.....“

”ہمیں خبر ہے

”مگر ہم GLASNOST کی خرافات میں نہیں پڑنا چاہتے

ہر وہ شخص جو ہماری اجازت کے بغیر

گزشتہ برسوں زندہ رہا

غذار ہے

اور غذاری کی سزا موت ہے

اور زندہ بچ جانے والوں کو خبر ہو

کہ وفاداری کے شرکیت پر اب ہمارے دستخط ہوں گے

رسہ کھینچنے کا اختیار ہمیں مل چکا ہے!“



سندھودریا کی مختب میں ایک نظم

ہریالی دریا کے دونوں جانب ہوتی ہے

وہ پہاڑوں اور میدانوں میں بہتے ہوئے

پھروں اور پھولوں سے یکساں سلوک کرتا ہے

محچلیاں پکڑتے ہوئے

کبھی کسی مجھیرے سے اُس کا ذومی سائل نہیں مانگتا

بلکہ شکریے کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے

ہوا اور بادل کی طرح مہربان اور بے نیاز

مگر جب اُس کے کناروں پر رہنے والے

اُس کے پانیوں میں نفرتیں ملانے لگیں

اور بچوں اور پھولوں کو

والیوں اور مالیوں کا شجرہ دیکھ کر

پانی کا پرمث جاری کرنے لگیں

اور یہ سلسلہ بہت دیر تک چلتا رہے

تو تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے

کہ ایسے موقعوں پر

دریا اپنا جغرافیہ تبدیل کر لیتے ہیں!

میرا خیال ہے

ہمارے لئے

فی الحال ایک موہن جو داڑو کافی ہے!

ختم شد